آصفہ اعوان

درد

زاہدہ کچن کے دروازے کی اوٹ سے لاؤنج کے دروازے پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔ مہینے کی یہ چند گھڑیاں، جن کے سہارے وہ مہینے کے باقی دن کاٹا کرتی تھی اس کے لیے زندگی کا حاصل تھیں۔

بچے پہلے ہی ڈرائنگ روم میں منتظر بیٹھے تھے۔ زاہدہ کی طرح بچوں کے لیے بھی مہینے کی یہ پانچ تاریخ عید کی مانند خوشیاں لاتی تھی۔ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کی ماں کے لیے بھی یہ روز عید ہی ہوتا تھا۔

ایک دم باہر گیٹ پر زوردار ہارن کی آواز آئی اور پھر گیٹ کھلنے اور جیپ کے رکنے کی آواز پر ریحان گل نے بھاگ کر لاؤنج کا دروازہ کھولا اور رفیق خان پر نظر پڑتے ہی باآواز بلند سلام کیا۔

اگلے ہی لمحے اسے رفیق خان نظر آگیا۔" مسکراتے ہوئے سر کے اشارے سے ملازم کے سلام کا جواب دے رہا تھا۔

رفیق خان زاہدہ کا وہ خواب تھا جو حقیقت بن کر بھی ادھورا رہا۔ جو اسے مل کر بھی نہ مل سکا۔ چھ فٹ سے نکلا ہوا قد، براؤن شلوار قمیص میں ملبوس، خوب صورت ہلکے براؤن سلیقے سے تراشیدہ بال، بڑی بڑی ہری سنجیدہ گو اداس اور خاموش آنکھیں۔ چالیس سال کی عمر میں بھی جیسے وقت اس کو چھو کر ہی گزرا تھا۔

ڈرائنگ روم میں بچوں کے چہکنے کی آوازیں اسے کچن میں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ بشائمہ کی شکایتیں اور عبدالرحمن کی شرارتیں۔۔۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

اس وقت صبح کے نو بج رہے تھے اور وہ جانتی تھی کہ آج کا دن بلکہ ہر وہ دن جب رفیق خان بچوں سے ملنے آتا ہے، بہت جلد گزر جاتا ہے۔ یہ سوچ کر اس کا دل

مکمل ناول

مردانہ وجاہت، چوڑے شانے، کسرتی بدن۔۔۔ جیسے کوئی فوجی کمانڈر ہو۔

اس کی سحر خیز مسکراہٹ جو ہمیشہ زاہدہ کی سانسوں کو اتھل پتھل کردیتی تھی مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ زاہدہ کے لیے وہ کبھی نہیں مسکرایا تھا۔

وہ زاہدہ کی موجودگی سے بے خبر پروقار انداز سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہوگیا۔

ابھی سے اداس ہونے لگا۔ سر جھٹکتے ہوئے اس نے چائے کا پانی رکھا۔ چائے کے لوازمات پہلے ہی ٹرالی میں سجا چکی تھی۔ اسے آج بھی یاد ہے، خان کو گرم چائے پسند ہے۔ الائچی کی مہک والی میٹھی چائے۔

اس نے افسردگی سے سوچا۔ اتنے میں ملازم کچن میں داخل ہوا۔

"بی بی! چائے لے جاؤں؟" زاہدہ نے سر کے

اشارے سے اجازت دی۔ وہ ٹرالی دھکیلتے ہوئے کچن سے باہر لے گیا۔
وہ کچن کے سلیب سے ٹیک لگا کر کھڑی رہی۔

☼ ☼ ☼

ہارن پر چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ گاڑی تیزی سے اندر داخل ہوئی اور دونوں طرف وسیع لان سے گزرتے ہوئے بنگلے کے ڈرائیو وے میں جا کھڑی ہوئی۔ گاڑی کا پچھلا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور ایک سترہ سالہ لڑکی تیزی سے باہر نکلی۔ سیاہ جینز کے پائنچے ٹخنوں تک فولڈ تھے۔ سفید اسپورٹس جوگرز کیچڑ میں لتھڑے ہوئے تھے۔ سفید جرسی دھول مٹی سے اٹی ہوئی تھی۔ لمبے کالے بال اونچی سی پونی میں قید تھے۔ سرخ و سفید رنگ جوش اور تھکن سے تمتما رہا تھا۔ بڑی بڑی بھوری آنکھیں خوشی اور مسرت سے چمک رہی تھیں۔ خوب صورت گلابی مسکراتے ہونٹ اور لمبی گردن فخر سے مزید تنی ہوئی تھی۔ گردن میں لٹکتا ہوا گولڈ میڈل دھوپ میں کچھ اور چمک رہا تھا۔

لاؤنج کے دروازے سے ہی وہ "بابا جان..... بابا جان۔" پکارتی اندر داخل ہوئی اور بغیر ارد گرد نظر ڈالے بابا جان کے بیڈ روم کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ جیسے ہی دروازے تک پہنچی 'دروازہ کھلا اور سرور خان خود ہی باہر نکل آئے۔ حسب معمول وہ اپنی بیٹی کو دیکھ کر مسکرائے اور وہ بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔

"بابا جان! میں پھر جیت گئی۔" وہ جوش اور اتراہٹ سے بولی 'سرور خان نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا تھا کہ میرے بیٹے سے کوئی جیت ہی نہیں سکتا۔ بس اب جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر اور جوس لے کر میرے کمرے میں آؤ۔"

"بابا جان!" اس نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

وہ اپنی ساری کارکردگی اسی وقت سنانا چاہتی تھی۔ اور سرور خان جانتے تھے کہ وہ چاہے سننا چاہیں یا نہیں ان کے دو گھنٹے اسی چکر میں جانے والے تھے مگر آج بات کچھ اور تھی۔ انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ذرا جھک کر اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بیٹی کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا' پھر سرگوشی میں کہا۔

"میرے بیڈ روم میں ایک گیسٹ ہے جس سے میں تمہیں ملوانا چاہتا ہوں۔ تم منہ ہاتھ دھوؤ اور فوراً جوس ۔۔۔ کر میرے کمرے میں لے کر آؤ۔ تمہاری ساری باتیں میں بعد میں سنوں گا۔ چلو جلدی۔"

ساتھ ہی انہوں نے بیٹی کو اس کے کمرے کی طرف پیار سے دھکیل بھی دیا۔

"بابا جان! آپ سکینہ کو کہتے نا میں بہت تھک گئی ہوں پلیز۔" اس نے بے زار ہوتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا نا' تم سے ملوانا ہے۔ تم خود جوس بنا کر لاؤ۔ جاؤ! شاباش 'جلدی کرو۔"

اس نے سرور خان کی ہلکی سی ڈپٹ پر خفگی سے انہیں دیکھا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"پانچ منٹ کے اندر 'اوکے!" انہوں نے جاتے جاتے پھر تائید کی۔

اس نے جیسے تیسے منہ دھویا اور کچن کی طرف بھاگی۔ جلدی جلدی گیلے کا شیک بنا کر گلاس میں ڈالا اور ٹرے لے کر سرور خان کے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوئی۔

مہمان کمرے میں بائیں طرف صوفے پر بیٹھا تھا۔ اس نے اسے دیکھتے ہی سلام کیا۔

"بخیر راغلے لالا! آپ کیسے ہیں؟" پھر جواب سنے بغیر ہی سرور خان کی طرف مڑ گئی۔

"اف! بابا جان آپ بھی نا۔۔۔ رفیق لالا کوئی مہمان تھوڑا ہی ہیں۔"

رفیق خان جو ایک فائل دیکھنے میں مصروف تھا' آواز پر چونکا اور سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور چند لمحے دیکھتا ہی رہ گیا۔

دروازے میں کھڑی سرو قد' دبلی پتلی گلابی رنگت

کھڑی ناک کپڑوں پر جابجا مٹی لگی ہوئی تھی۔ گلے میں میڈل ابھی بھی لٹک رہا تھا۔ بڑی بڑی ذہین آنکھوں میں تھکن انہیں مزید خوب صورت اور نشیلا بنا رہی تھی' وہ ساری عمر یاد رکھنے والی لڑکی تھی۔

اس نے پہلا گلاس اٹھا کر بیڈ پر بیٹھے اپنے باپ کو دیا جو خاموشی سے رفیق خان کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔

پھر اس نے دوسرا گلاس اٹھا کر رفیق کی طرف بڑھایا اور چہکے سے بولی۔

"لالا! کیا آپ کو بنانا شیک پسند ہے؟ اگر ہے تو ٹھیک ہے۔ اگر نہیں ہے تب بھی چپ کر کے پی لیں کیونکہ میں بہت تھکی ہوئی ہوں پلیز۔"

پلیز کہتے ہوئے اس نے معصومیت سے اپنی پلکیں جھپکائیں۔ رفیق خان کے سنجیدہ چہرے پر ایک لمحے کو مسکراہٹ آئی اور پھر معدوم ہو گئی مگر۔۔۔ مگر زاہدہ نے اس ایک لمحے میں بھی محسوس کر لیا کہ اس کی آنکھوں میں ایک اداسی تھی جس نے اس کی آنکھوں میں ایک طرح کی سختی پیدا کر دی تھی۔ جب ہی مسکراتے وقت اس کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں ابھرتا تھا۔ بالکل خالی' وحشت زدہ کرنے والی بڑی بڑی آنکھیں۔

یہ تھی زاہدہ سے رفیق کی پہلی ملاقات۔

☼ ☼ ☼

آج کے دن کے لیے کھانے اور چائے کا اہتمام وہ ایک دن پہلے ہی شروع کر دیتی تھی۔ باقی کچھ ڈشز وہ ریحان گل اور تاج بی بی کے ساتھ وقت پر تیار کرتی تھی۔ رفیق کو اس کے ہاتھ کا کھانا بہت پسند تھا۔

اسے کچن میں ایک سنسنہ ہوا تھا کہ پیچھے سے کسی نے اسے کمر میں ہاتھ ڈال کر پکڑ لیا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کون ہے وہ اپنے بچوں کی آہٹ پہچانتی تھی۔

"کیا چاہیے۔" زاہدہ نے پیار سے اس کے ہاتھ اپنی کمر سے کھولتے ہوئے کہا۔

"اتنی اچھی خوشبو آ رہی ہے۔ بھوک بڑھ گئی۔ کتنی دیر ہے اماں!" بشامہ نے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"بس تھوڑی دیر ہم بھی لگواتی ہوں کھانا۔" زاہدہ نے پلاؤ کو دم لگاتے ہوئے کہا۔

بشامہ نے سامنے آ کر اس کے ہاتھ تھام لیے۔ اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے۔ زاہدہ اسے بغور دیکھ رہی تھی اور جانتی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے' پھر بھی پوچھ لیا۔

"کیا بات ہے بشی!"

"ماما! آپ بھی ہمارے ساتھ کھانا کھائیے نا۔" بشامہ نے جھجکتے ہوئے التجائیہ لہجے میں کہا۔

"تم جانتی ہو بشی! یہ ممکن نہیں ہے۔" زاہدہ نے نرمی سے اس کے گال تھپتھپائے۔

"پلیز ماما! میرے لیے پلیز۔" بشامہ نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارے دادا جان کو اچھا نہیں لگے گا اور شاید ۔۔۔۔" زاہدہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کچھ نہیں ہو گا۔ میں دادا جان سے بات کر لوں گی ۔ماما! بس آپ آ جائیں۔" بشامہ نے پھر ضد شروع کر دی۔ وہ ہمیشہ کوشش کرتی تھی اور ناکام رہتی تھی۔

"بشامہ! فضول باتیں نہ کرو۔ جاؤ دیر ہو رہی ہے۔ بابا انتظار کر رہے ہوں گے۔" زاہدہ نے دوبارہ چولہے کی طرف رخ موڑتے ہوئے کہا۔ بشامہ چند لمحے زاہدہ کو دیکھتی رہی' پھر کچن سے باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد چچی جان نے زاہدہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "اس کی بات مان لینے میں کوئی ہرج تو نہیں تھا۔ آخر وہ۔۔۔"

"چچی جان! اب ایسی باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جہاں چاہ ہی نہ ہو' وہاں راہ نہیں ڈھونڈنی چاہیے۔"

اس کے چہرے کی اداسی دیکھ کر چچی جان کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ وہ خاموشی سے مڑ کر واپس چلی گئیں۔

رفیق خان اور بچوں کے لیے کھانا ڈرائنگ روم میں ہی لگوا کر زاہدہ نے چچی جان اور اپنے لیے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا دیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد

اس نے ڈرائنگ روم میں قہوہ بھجوایا اور اپنے کمرے میں آگئی۔

☼ ☼ ☼

لاؤنج میں بیٹھ کر فون پر بات کرتے ہوئے سرور خان باہر گارڈن میں زاہدہ کو پودوں کو پانی دیتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ وہیں کرسی پر امبر بیٹھ کر کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔ فون پر دوسری طرف ان کا منیجر انہیں رات کے ڈنر کے بارے میں یاد کروا رہا تھا' جو ان کے بھائی صابر خان اور دوسرے بزنس پارٹنر کے ساتھ تھا۔ بات ختم کر کے ان کا دھیان پھر دونوں بچیوں کی طرف چلا گیا۔ اور اگلے ہی لمحے وہ اپنے چھوٹے بھائی صابر خان کے بارے میں سوچنے لگے۔

صابر خان اور تہمینہ ان کے چھوٹے بہن بھائی تھے۔ صابر خان سے اچھا اور فرماں بردار بھائی اور دوست انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی صابر خان سے بہت پیار کرتے تھے۔ مگر ان کی زندگی کے بارے میں جب سوچتے تو اداس ہو جاتے۔

شیشے کے پار سے لان میں زاہدہ کو مصروف دیکھ کر وہ اپنی اور صابر خان کی زندگی کا موازنہ کرنے لگے۔ ان کے تین لائق فائق بیٹے تھے۔ احتشام خان' تنویر خان اور تیمور خان۔ پھر زاہدہ اور امبر اپنے پانچوں بچوں میں سب سے زیادہ فخر انہیں زاہدہ پر تھا' جو شکل صورت میں بھی اپنی ماں کی جیتی جاگتی شبیہہ تھی۔

دوسری طرف صابر خان تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ رفیق خان اور رمیض خان۔ دنیا کی ہر نعمت فراوانی سے میسر تھی مگر ان کے بیٹے رفیق خان نے ان کی زندگی میں طوفان اٹھا رکھا تھا۔

وہ اپنی سوچ میں گم تھے کہ زاہدہ کو دیکھتے ہوئے اچانک ایک خیال ان کے دماغ میں آیا' جس سے ان کی آنکھوں میں چمک اور پر تفکر چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کیں اور سکون کا سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

انہیں آٹھ بجے ڈنر کے لیے پہنچنا تھا۔ وہ اپنے بیڈ روم کی طرف چل دیے۔

☼ ☼ ☼

وہ بڑی تیزی سے بلڈنگ کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ وہ ایک گنجان آباد علاقے کی بڑی سی بلڈنگ تھی جس میں چھ منزلیں تھیں اور ہر منزل پر دو اور ایک کمرے کے بیس فلیٹ تھے۔ وہ تیزی سے پانچویں منزل پر پہنچا تو اس کی سانس بری طرح پھول چکی تھی۔ اس کا فلیٹ راہداری میں سب سے آخر میں تھا۔ وہ تقریباً" بھاگتے ہوئے اپنے فلیٹ کے دروازے پر پہنچا۔

دو کمروں کا چھوٹا سا فلیٹ تھا۔ جس میں داخل ہوتے ہی سیدھے ہاتھ پر کچن اور الٹے ہاتھ پر باتھ روم تھا۔ سامنے دو کمرے تھے۔ دیواروں پر ـــــ جگہ جگہ سے پینٹ اکھڑا ہوا تھا۔ گھر میں فرنیچر برائے نام تھا۔ ایک ٹین کی پرانی الماری اور دونوں کمروں میں بوسیدہ سا کارپٹ۔ ایک کمرے میں پنکھا تھا۔ دوسرے کمرے میں نہیں تھا۔ فلیٹ کے کھلے دروازے سے سب سے پہلے اس کی نظر صابر خان پر پڑی' جو بائیں طرف والے کمرے کے وسط میں کھڑے بیرونی دروازے کی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔

صابر خان کو دیکھ کر وہ وہیں جم سا گیا۔ چند لمحے اپنی سانسوں پر قابو پانے کے بعد اس نے دائیں بائیں دیکھا اور بے چینی سے آواز دینا شروع کر دیں۔

"ثمرین! ثمرین ـــ کہاں ہو ثمرین؟"

اتنے چھوٹے گھر میں اتنی آواز بھی بلند ہی معلوم ہو رہی تھی۔

"وہ جا چکی ہے برخوردار! اس کے گھر والے آکر لے گئے ہیں۔"

صابر خان نے بڑے اطمینان سے کہا اور ہاتھ سے ایک اشارہ کیا۔ وہ اپنے پیچھے راہداری میں ہونے والی سرگرمیوں سے بے خبر تھا۔

صابر خان کا اشارہ پاتے ہی دو آدمیوں نے دونوں طرف سے اسے گھیر کر بازوؤں سے جکڑ لیا۔ اس سے پہلے کہ اس کی آواز بلند ہوتی' صابر خان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک رومال نکالا اور اس کی ناک پر رکھ دیا۔

☼ ☼ ☼

ہوٹل سے باہر نکلتے ہی دونوں بچارو آگے پیچھے سی ویو کی طرف دوڑنے لگیں اور سمندر پر قدرے خالی اور سنسان جگہ پر رک گئیں۔ آگے والی گاڑی سے سرور خان اور پیچھے والی گاڑی سے صابر خان اتر آئے اور پانی کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کے گارڈز اس کے پیچھے پوزیشن لیے کھڑے تھے۔ بڑی دیر تک خاموشی سے سمندر کو دیکھتے رہنے کے بعد سرور خان نے بات شروع کی۔

"صابر خان! اگر میں تم سے کچھ مانگوں تو کیا تم انکار کرو گے؟" سرور خان کی آنکھوں میں التجا بھی تھی۔ اور مان بھی۔

"لالا! آپ میری جان مانگ سکتے ہیں۔ پیچھے نہیں ہٹوں گا۔" صابر خان جوش سے بولے۔

"صابر! مجھے رفیق خان دے دو' میری زاہدہ کے لیے۔"

صابر خان متحیر نظروں سے بھائی کو دیکھنے لگے۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ جو کچھ انہوں نے سنا' واقعی وہ ان کے بڑے بھائی نے کہا ہے۔

وہ حیرت سے پلکیں جھپکنا بھول گئے تھے اور جب یقین آیا تو انہوں نے سرور خان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور ایک دم پیچھے ہٹ گئے' پھر تیز قدموں سے چلتے ہوئے واپس جانے لگے۔ سرور خان جانتے تھے کہ صابر خان کیا محسوس کر رہے تھے۔ پوری زندگی یہ پہلا موقع تھا' جب صابر خان ان سے اس طرح ناراض ہوئے تھے۔ وہ اپنے دوست نما بھائی کو افسردہ نظروں سے دور جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

پیارے بچوں کے لئے

قصص الانبیاء

تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کا شجرہ مفت حاصل کریں۔

قیمت -/300 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ -/50 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

گھپ اندھیرا تھا۔ بالکل گہری خاموشی اور تاریکی۔ اس کی آنکھیں کھلیں تو اسے اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اسے احساس ہوا کہ اس کے سر میں درد ہے۔ اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی تو لگا جیسے اس کا گلا اور زبان خشک ہو رہے تھے۔ اپنے ہاتھ کو حرکت دینا چاہی تو ایسا محسوس ہوا کہ اس کا جسم وجود ہی نہیں رکھتا۔ کافی دیر اسی طرح پڑے رہنے کے بعد اسے یاد آنا شروع ہو گیا کہ وہ یہاں کیسے آیا؟ اور اس وقت وہ کہاں ہے؟ اسے ڈر نہیں لگ رہا تھا مگر اگلے چند لمحوں میں جب اسے ثمرین کا خیال آیا تو اس نے چلانا شروع کر دیا۔ وہ اندھیرے میں دیواریں ٹٹولتا ہوا دروازے کے پاس پہنچا اور دروازے پر مکوں کی بارش کر دی۔

"بابا جان! دروازہ کھولیں۔"

مسلسل چیخنے سے اس کے سر کا درد بڑھ گیا تھا مگر اس نے پروا نہ کی اور چیختا رہا۔ یہ جگہ انجان تھی۔ یہ اس کے باپ صابر خان کے گھر کا تاریک تہہ خانہ تھا اور ایسا پہلی دفعہ بھی نہیں ہوا تھا کہ اسے اس تہہ خانے میں قید کیا گیا ہو۔ وہ جرم محبت کا سزاوار تھا۔ اور تیسری مرتبہ اس تہہ خانے میں قید ہوا تھا۔

اسے نہ قید کا ڈر تھا نہ بھوک پیاس کا اور نہ صابر خان کا۔ وہ تو بس اپنی بیوی ثمرین کے لیے فکر مند تھا، جسے اس کے گھر والے لے گئے تھے۔

"بابا جان! اللہ کے واسطے اس کو چھوڑ دیں۔ اس نے آپ کا کیا بگاڑا ہے اللہ کے واسطے۔"

وہ جانتا تھا کوئی اس کی نہیں سنے گا۔ وہ تھک کر وہیں دروازے کے پاس بیٹھ گیا اور گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگا۔

وہ کتنا بے بس تھا۔ اپنی ثمرین کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے زاہدہ کو ایک کشن اڑتا ہوا آ کر لگا۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ سامنے سے ٹشو بکس آتا دکھائی دیا۔ اس نے ایک طرف ہو کر اپنے آپ کو بچایا۔ پھر شامہ کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"جنگلی ہو تم۔ تمہیں گھر میں نہیں کسی جنگل میں رہنا چاہیے۔ ساری محنت بے کار ہے تم پر۔"

وہ چیختی ہوئی لاؤنج میں رکھی تمام چیزیں باری باری اٹھا کر عبدالرحمن پر برسا رہی تھی اور عبدالرحمن اپنے آپ کو اس کے حملوں سے بچا نہیں پا رہا تھا چچا جان نے عبدالرحمن کو اپنے پیچھے چھپایا ہوا تھا۔

"ارے بھئی، کس نے چھیڑ دیا میری شیرنی کو؟ ہوا کیا ہے یہاں؟ اور کہاں ہیں تمہاری دادی۔"

چچا جان نے بلند آواز میں کہتے ہوئے دائیں بائیں گردن گھماتے ہوئے چچی جان کو ڈھونڈنا چاہا۔ وہ دوسرے صوفے کے پیچھے سے نکل کر کھڑی ہو گئیں۔

"عبدالرحمن! میں تمہیں اس کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ میں بدلہ لوں گی۔۔۔ میں۔" وہ چیختے ہوئے اپنے کمرے کی طرف دوڑ گئی۔

انہوں نے سکون کا سانس لیا مگر اگلے ہی لمحے چچی جان پر چڑھ دوڑے۔

"شاباش زرمینہ! بجائے اس کے کہ بچوں کی صلح کراؤ صوفے کے پیچھے چھپی تماشا دیکھ رہی ہو تم۔۔۔ واہ واہ!" چچا جان نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

چچی جان نے سامنے آ کر دونوں ہاتھ اپنی کمر پر ٹکائے اور اسی انداز میں جواب دیا۔ "اپنے ان شیطانوں کو سمجھاؤ۔ لڑکی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ جو کیا ہے اس لڑکے نے کیا ہے۔ پوچھو اس سے ذرا؟"

ان کے پوچھنے سے پہلے ہی عبدالرحمن نے لاپروائی سے کہا۔

"دادا جان! میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں جب بھی اس بندریا کی کسی چیز کو ہاتھ لگاؤں، پتا نہیں کیسے ٹوٹ جاتی ہے۔ میری کوئی نیت نہیں ہوتی اس کی دم پر پیر رکھنے کی۔"

"تم نے کیا کیا ہے، یار! وہ بتاؤ بس۔" چچا جان نے

اس کی صفائی کو رد کرتے ہوئے کہا۔

"ہونا کیا تھا، بابا جان اس کے لیے پرفیوم لائے تھے میں نے پیکٹ کھولا تو بوتل میرے ہاتھ سے سلپ ہو کر گری اور ٹوٹ گئی اور پھر۔"

"خیر بچے! تم اتنے معصوم ہو تو نہیں میں جانتا ہوں تمہیں۔ جان بوجھ کر تم نے اسے تنگ کیا ہے۔ حد ہے یار! اتنے بڑے ہو گئے ہو اور لڑکیوں کی چیزوں میں گھستے ہو۔"

"اب جاؤ بڑی ہے تم سے اور غلطی بھی تمہاری ہے۔ جا کر معافی مانگو اس سے!"

چچا جان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی مگر عبدالرحمن نے نیچے جھک کر زمین پر بکھری چیزیں اٹھانا شروع کر دیں۔

"یہ کیا کر رہے ہو، رہنے دو۔ یہ سب ریحان گل کر لے گا، تم جاؤ اندر اور اسے مناؤ فوراً۔" چچا جان نے قدرے سختی سے کہا۔

وہ سیدھا کھڑا ہوا اور نخوت سے کہنے لگا۔

"آپ کیا سمجھ رہے ہیں۔ میں یہ چیزیں کس لیے سمیٹ رہا ہوں دادا جان! پہلے میں یہ سب اسے مار کر اپنا بدلہ لوں گا، پھر معافی مانگوں گا۔ تب حساب برابر ہو گا۔"

یہ سنتے ہی چچی جان نے اپنا سر پیٹ لیا۔ "یہ سب تمہارے لاڈ پیار کا نتیجہ ہے۔ بگاڑ دیا ہے۔ لڑکے کو ذرا لحاظ نہیں ہے۔ اسے معافی مانگنے کا کہا تو چلا لڑکی کو مارنے۔ شرافت سے جا کر اس سے معافی مانگو اور منا کر لاؤ ورنہ میں تیمور کے گھر چلی جاؤں گی۔"

"اوکے اوکے! ماموں جان کی پرسکون زندگی تباہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ کی پیاری سی بندریا کو منا کر لے آتا ہوں۔"

وہ جلدی سے مان گیا اور سب پر باری باری ایک نظر ڈال کر ریشامہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

پورا ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ صابر خان نے سرور خان سے بزنس کے علاوہ کوئی رابطہ نہ کیا اور کام کے تمام معاملات بھی وہ فون پر ہی طے کر رہے تھے۔ سرور خان اپنے گھر کے لاؤنج میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ کر چائے پی رہے تھے۔ اس وقت وہ اکیلے تھے۔ زاہدہ اور امبر شاپنگ کے لیے گئی ہوئی تھیں اور تیمور خان بھی کہیں باہر گئے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ انہیں صابر خان سے ایک مرتبہ پھر بات کرنی چاہیے۔ مگر کیسے؟ پھر خود ہی انہوں نے اپنے آپ کو امید دلائی کہ وہ کیوں راضی نہ ہوں گے۔ رفیق خان ان کا سب سے لاڈلا بیٹا ہے، جس سے انہیں بہت سی امیدیں تھیں۔ کیا ہوا اگر رفیق سے ایک غلطی ہو گئی انسان آخر خطا کا پتلا ہے۔ اور جوانی میں تو ایسی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں بچوں سے اور اب تو رفیق بالکل ٹھیک ہو گیا ہے۔

☼ ☼ ☼

وہ اس وقت آئینہ کے سامنے کھڑی اپنے بال کھول رہی تھی۔ اس نے نم آنکھوں سے آئینہ میں اپنے عکس کو دیکھا تو کل سے زیادہ حسین پایا۔

"کیا کمی تھی مجھ میں، کیوں چھوڑ دیا رفیق خان نے مجھے؟"

دماغ کے ایک گوشے سے ماضی کی ایک یاد ابھری، جب رفیق خان نے اسے اسی کمرے میں کھڑے ہو کر فیصلہ سنایا تھا۔

"میرا انتظار فضول ہے۔ میں کبھی واپس نہیں آؤں گا۔ میں ثمرین کے ساتھ خوش ہوں۔ تم چلی جاؤ میری زندگی سے۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

اس کا دل ڈوبنے لگا اور آنکھیں روانی سے بہنے لگیں۔ اس کی نظریں ابھی بھی اپنے عکس پر تھیں۔

"یا اللہ! ایسا میرے ساتھ ہی کیوں ہوا۔۔۔ اتنی کڑی آزمائش کے لیے میں ہی کیوں۔۔۔؟"

اسے مشہور ٹینس پلیئر آرتھر ایش کی بات یاد آ گئی جو اس نے اپنے مداح کے سوال "خدا نے آپ کو ہی بیمار کیوں کیا؟" کے جواب میں کہی تھی۔

"پوری دنیا میں پچاس لاکھ لوگ باقاعدہ ٹینس سیکھتے

ہیں۔ ان میں سے پچاس سرکٹ میں آتے ہیں۔ دس ملکوں سے پانچ ہزار لوگ گریٹ سلیم میں آتے ہیں پھر ان میں سے پچاس ومبلڈن لندن تک پہنچتے ہیں پھر ان پچاس میں سے چار لوگ سیمی فائنل میں اور ان میں سے دو فائنل میں آتے ہیں۔ پھر ان دو میں سے ایک کو کپ ملتا ہے۔ اور وہ ایک میں تھا جس کو وہ کپ ملا۔ اس وقت تو میں نے خدا سے نہیں پوچھا تھا کہ میں ہی کیوں؟ تو اب کیوں پوچھوں۔۔۔"

زاہدہ شرمندہ ہو گئی۔ اس نے آئینہ سے نظریں ہٹالیں۔ سر جھکا کر اللہ سے فوراً" استغفار کیا اور دل کو سمجھاتے ہوئے بشامہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ پورے کمرے کی چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ دروازے کے داہنی طرف عبدالرحمن گن پکڑے کھڑا تھا اور بشامہ سینے پر ہاتھ باندھے اسے شعلہ بار نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ماں کو دیکھ کر اس نے رونا شروع کر دیا تھا۔ زاہدہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے سمجھایا۔

"کیوں دل جلا رہی ہے اپنا تو سمجھ دار بیٹی ہے میری۔ چھوڑ معاف کر دے۔ میں تجھے اس کی پاکٹ منی سے پرفیوم لا کر دوں گی۔ اور مہینے تک اسے خرچ بھی نہیں دوں گی۔ ٹھیک ہے خوش؟" اس نے اپنی طرف سے عبدالرحمن کو سزا سنائی۔

اس نے سر اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا۔ اس کی سوجی ہوئی بڑی بڑی سبز آنکھیں اس وقت لال ہو رہی تھیں۔

"ماما! وہ پرفیوم بابا جان آپ کے لیے لائے تھے۔ آپ کو پسند ہے نا مگر اس نے اپنی شرارت اور مزے کے لیے میری ساری محنت تباہ کر دی۔ میں اسے معاف نہیں کروں گی ماما!" وہ وہیں زمین پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

زاہدہ نے فوراً" اسے گلے لگایا۔

"بشامہ! خدا کے لیے چپ ہو جاؤ' کیوں وہ سب چاہتی ہو جو میرے لیے ہے ہی نہیں۔ اب کوئی فائدہ نہیں ہے ان باتوں کا۔ اب میرے بچوں کا وقت ہے۔ مجھے اب تم لوگوں کی خوشیاں چاہئیں بس اور کچھ نہیں۔ اگر میرے لیے کچھ کرنا ہے تو بس یہ دعا کرو کہ اللہ مجھے میرے بچوں کی خوشیاں دکھائے۔" زاہدہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔

بشامہ اس کے بازوؤں میں بری طرح بلک رہی تھی۔ آج وہ بہت تکلیف میں تھی۔ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا' ماں اور باپ کو الگ ہی دیکھا تھا اور اب جب باپ ملنے آتا اور چلا جاتا تو وہ زاہدہ کی اداسی دیکھتی تھی۔ وہ تیرہ سال کی ہو گئی تھی اور پچھلے تین سالوں میں تمام حقیقتوں سے خاصی حد تک واقف ہو گئی تھی۔ ماں کے بے قصور سزا پانے پر اس کی خواہش بڑھ جاتی کہ اب وہ ماں کو خوش دیکھے۔ وہ اکثر دونوں کو قریب لانے کی کوشش کرتی۔ مگر ناکام رہتی۔ آج امید کی ایک چھوٹی سی کرن نظر آئی تھی مگر عبدالرحمن کی شرارت نے نادانستگی میں اس کرن کو بجھا دیا تو وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ اس نے ماں کے بازوؤں سے سر اٹھایا اور بھیگی آنکھوں سے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور جو میں مانگ رہی ہوں اللہ سے' وہ میری خوشی ہے۔ آپ دعا کریں کہ اللہ پاک مجھے میری خوشی دے دے۔" تھوڑی دیر بعد اس نے پھر زاہدہ سے کہا۔

"ماما! آپ اس سے کہیں' یہاں سے چلا جائے۔ میں نے اسے معاف کیا مگر میں اس سے تب تک بات نہیں کروں گی' جب تک میرا دل نہ چاہے۔ یہ بھی مجھ سے بات کرنے کی کوشش نہ کرے۔"

عبدالرحمن نے بشامہ کی بات سنی اور چند لمحے کھڑے رہنے کے بعد وہاں سے چلا گیا۔ زاہدہ نے دیکھا عبدالرحمن کی آنکھیں بھی بھیگی ہوئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

کوئی اس کا نام لے کر اسے پکار رہا تھا اور اس کے کندھے جھنجھوڑ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں مگر نقاہت سے آنکھیں کھولنے میں ناکام رہا۔ چند لمحوں بعد جب آوازیں صاف صاف سنائی دینے لگیں تو اس

نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں مگر روشنی کی وجہ سے پھر بند کر لیں۔ اب وہ آوازیں پہچان سکتا تھا۔ یہ صابر خان کی آواز تھی جو اس کا نام پکار رہے تھے اور اسے جھنجھوڑ رہے تھے۔ ساتھ ساتھ ماں کے رونے کی اور انہیں تسلی دیتی رمیض کی آواز بھی آ رہی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھول کر ارد گرد دیکھا۔ وہ اس اندھیرے کمرے میں نہیں تھا اور نہ ہی اپنے گھر میں۔ وہ ہسپتال میں تھا۔

"اب کیسا محسوس ہو رہا ہے؟" رمیض کرسی کھینچ کر بیڈ کے پاس بیٹھ گیا اور بھائی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سہلانے لگا۔ "لالا! جوس لاؤں آپ کے لیے۔" رفیق نے کوئی جواب نہ دیا۔ رمیض نے دوبارہ بات کرنے کی کوشش کی مگر اس نے آنکھیں بند کر لیں رمیض چپ ہو گیا۔

دو دن بعد اسے ڈسچارج کر دیا گیا۔ اس سارے عرصے میں اس نے کسی سے کوئی کلام نہ کیا اور نہ کچھ پوچھنے کی کوشش کی۔ سرور خان اور باقی تمام لوگ اسے دیکھنے آئے مگر اس نے کسی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ بس ثمرین کے بارے میں سوچتا رہا۔

وہ اپنے بیڈ روم میں تھا۔ اس کا بیڈ روم پورے ایک فلور پر مشتمل تھا جو اس نے اپنی پسند سے بنوایا تھا۔ وہ اپنے کمرے پر نظریں دوڑا رہا تھا۔ جس فلیٹ میں وہ ثمرین کے ساتھ چھ مہینے سے رہ رہا تھا' وہ اس کے باتھ روم کے برابر تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ پھر سے پہلے ماضی کے بارے میں سوچنے لگا۔

کس طرح اس کے باپ نے ثمرین کے رشتے سے انکار کیا اور وجہ ثمرین نہیں اس کی ماں تھی' جو اپنے زمانے کی مشہور گلوکارہ تھی جو کہ بعد میں گمنام ہو گئی۔ صابر خان کو ثمرین کے خاندان پر اعتراض تھا۔

"اب ہم میراثیوں سے رشتے کریں گے۔۔۔ کیا عزت رہ جائے گی قبیلے میں ہماری۔ ہم سرداری کا عہدہ سنبھالنے کے لائق سمجھے جائیں گے کیا؟ بزنس میں بھی ہمیں اس بات کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔"

مگر رفیق آج کے دور کا انسان تھا۔ اس کے لیے گانا ایک خوبی تھا۔ اسے کوئی برائی نظر نہیں آتی تھی گانے میں۔ مگر یہ بحث کرنے پر صابر خان نے رفیق خان کو اپنی عزت پر قربان کرنے اور شوٹ کرنے کی دھمکی دی اور وہ خوب جانتا تھا کہ وہ اپنے خاندان کو کتنا اہم سمجھتے تھے۔ وہ جو کہتے تھے' وہ کر گزرتے تھے۔ پورے ایک سال تک بحث اور لڑائی جھگڑوں کے بعد وہ خاموشی سے ثمرین سے شادی کر کے ایک گمنام علاقے میں چھوٹا سا فلیٹ لے کر رہنے لگا۔ اس کے پاس پیسے ختم ہو گئے تو اپنی شناخت استعمال کیے بغیر اس نے ایک فیکٹری میں پندرہ ہزار روپے ماہانہ پر معمولی ورکر کی حیثیت سے نوکری کر لی۔ چھ مہینے وہاں رہتے ہوئے وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ اب وہ محفوظ ہو گیا ہے۔ مگر یہ اس کی غلطی تھی۔ اس کے باپ نے بالآخر اسے ڈھونڈ لیا اور آج وہ پھر اپنے گھر میں تھا۔ اکیلا اور اداس۔۔۔

ثمرین کے ساتھ گزارے ہوئے چھ مہینے اس کی زندگی کے سب سے خوب صورت دن تھے۔ ثمرین اس کا وہ خواب تھی' جسے اس نے حاصل کیا مگر صابر خان نے اس کو چھین کر ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ مگر وہ بھی اتنی آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ بھی اپنے باپ کا ہی بیٹا تھا' اس نے سوچ لیا تھا وہ ٹھیک ہو کر اپنے طور پر ثمرین کو ڈھونڈے گا اور اس مرتبہ کسی دوسرے شہر میں جا کر بس جائے گا۔ جہاں کوئی اسے نہ ڈھونڈ سکے گا۔

اس کی سوچ ایک بار پھر صابر خان کی طرف مڑ گئی۔ پتا نہیں ثمرین سے کیا سلوک کیا ہو گا؟ ثمرین کی ماں نے ثمرین کے ساتھ کیا کیا ہو گا کیونکہ صابر خان نے نہ صرف ثمرین کو مسترد کیا تھا بلکہ اس کے گھر جا کر اس کی ماں کو بھی خوب سنائی تھیں اور ڈرایا دھمکایا تھا' جس سے وہ رفیق خان سے بھی بدظن ہو گئی تھی۔ اور ثمرین کا رشتہ اس کی مرضی کے خلاف اپنے بھائی کے بیٹے سے طے کر دیا تھا' اسی لیے بغیر انتظامات پورے کیے اس نے ثمرین کو ایک دن پہلے ہی وہاں سے نکال لیا تھا ورنہ وہ اس ملک سے ہی چلا جاتا اور کبھی باپ کے ہاتھ نہ آتا۔ وہ ثمرین کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

گھر واپس آکر اس نے ہفتہ کے اندر اندر ہی ثمرین کی تلاش شروع کردی۔ کچھ عرصے بعد اسے پتا چلا کہ وہ اس ملک میں ہی نہیں ہے۔ اس بات نے اس کے دل و دماغ پر بہت اثر کیا۔ وہ باپ سے انتقام کی آگ میں جلنے لگا۔ اس نے گھر سے لاتعلقی اختیار کرلی۔ گھر میں کسی مہمان کی طرح رہنے لگا۔ پھر گھر میں بھی اس کی غیر حاضری بڑھتی چلی گئی۔ گھر میں بھی اپنے بیڈ روم سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ اس نے نشہ شروع کردیا تھا۔ وہ یہ سب کچھ کرکے باپ کو تکلیف دینا چاہتا تھا۔ ہر تیسرے چوتھے دن جھگڑا کرنے کے جرم میں یا گاڑی ٹکرانے کی کوشش میں پکڑے جانے پر صابر خان کو تھانے ضمانت کے لیے بلایا جاتا اور وہ بڑی ڈھٹائی سے باپ کی تکلیف سے لطف اندوز ہوتا۔

☼ ☼ ☼

سرور خان ٹھیک نو بجے صابر خان کے گھر پر تھے۔ لاؤنج میں قدم رکھتے ہی زرمینہ نے انہیں مسکراتے ہوئے سلام کیا۔ سرور خان نے آگے بڑھ کر شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور صابر خان کے بارے میں پوچھا۔

"بس آنے والے ہیں دس' پندرہ منٹ میں۔" زرمینہ نے جواب دیا۔

"زرمینہ! میں تم سے جو کچھ کہنا چاہتا ہوں' وہ میں صابر سے بھی ایک ہفتہ پہلے کہہ چکا ہوں مگر وہ ناراض ہوگیا۔ سب جانتے ہیں کہ رفیق خان کی وجہ سے صابر خان کتنا پریشان ہے۔ مجھ سے اس کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی۔ حالانکہ اب حالات بہت بدل گئے ہیں۔"

وہ چند لمحے رکے۔ انہوں نے نظر اٹھا کر زرمینہ کو دیکھا۔ رفیق کے ذکر پر زرمینہ کے چہرے پر خوشی تھی مگر آنکھوں میں آنسو بھی تھے۔ رفیق زرمینہ کی وہ کھوئی ہوئی اولاد تھی' جو سامنے ہو کر بھی گم تھی۔ وہ ماں سے کلام تک نہ کرتا تھا مگر گزشتہ دو سالوں میں رفیق میں اتنا فرق ضرور آیا تھا کہ وہ گھر ٹائم پر آجاتا تھا اور پچھلے چھ مہینے سے تو ہر چھٹی کا دن بھی گھر میں ہی گزارتا تھا۔

سرور خان نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"زرمینہ! میں چاہتا ہوں کہ رفیق خان کی شادی ہوجانی چاہیے۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

زرمینہ نے اپنے بہتے آنسوؤں کو دوپٹے کے پلو سے پونچھتے ہوئے کہا۔

"لالہ! یہ تو میرا خواب ہے۔ کہ میں اپنے رفیق کو شاد آباد دیکھوں۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ آپ نے میرے بیٹے کو اتنا سنبھالا ورنہ میں تو اسے تقریباً کھو چکی تھی۔"

"زرمینہ! تم جانتی ہو کہ رفیق کی ماضی کی غلطیوں کی وجہ سے خاندان میں سے کوئی اسے رشتہ نہیں دے گا اور خاندان سے باہر شادی پر صابر اب راضی نہیں ہوگا۔ وہ چوٹ کھا چکا ہے۔ اس لیے میں نے سوچا ہے کہ۔۔۔"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر زرمینہ کے متذبذب چہرے کی طرف دیکھنے لگے' جو پرامید نظروں سے اپنے جیٹھ کی طرف دیکھ رہی تھیں کہ انہوں نے ضرور کوئی بہتر حل نکالا ہوگا۔ کیونکہ وہی تو تھے جنہوں نے اللہ کے بعد رفیق کو سنبھالا تھا۔ گھر واپس لائے تھے۔

"میں رفیق کی شادی اپنی زاہدہ سے کردوں۔" انہوں نے جملہ پورا کیا۔

سرور کی بات پر زرمینہ کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔

"لالہ! وہ تو ہرگز نہیں مانیں گے۔۔۔ آپ جانتے ہیں کہ زاہدہ ان کے لیے اپنی بیٹی سے بھی بڑھ کر ہے اور رفیق خان۔۔۔ کبھی نہیں ہوسکتا لالہ! صابر بھی نہیں مانیں گے۔" زرمینہ نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"لالہ! اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر میں بیٹی مانگتی تو اللہ سے زاہدہ جیسی بیٹی کی دعا کرتی۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ اگر میں بیٹا مانگتی تو کبھی رفیق جیسے بیٹے کی تمنا نہ کرتی۔" وہ چند لمحے رکیں۔ آنسو پونچھ کر پھر بولنا شروع کیا۔

"لالہ! یہ صرف رفیق کی نہیں بلکہ زاہدہ کی بھی

زندگی کا سوال ہے۔۔۔ رفیق اس کی زندگی تباہ کردے گا۔ وہ اب بھی سب کچھ دل میں لیے بیٹھا ہے۔ وہ بے شک بزنس اچھا کر رہا ہے۔ کامیاب بھی ہوجائے گا۔ ترقی بھی کرلے گا مگر گھریلو زندگی۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔ مجھے ڈر لگتا ہے لالہ! مجھے مر کر بھابھی کو جواب دینا ہے۔"

"زرمینہ! میری بات پر یقین کرو ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ وہ بدل چکا ہے اور اب بالکل ٹھیک ہے۔ اس کا سائیکاٹرسٹ بھی مطمئن ہے اس سے۔ وہ اب ہر بات مجھے بتاتا ہے۔ پچھلے تین مہینے سے ہم دونوں لنچ ساتھ کرتے ہیں۔ اور میں نے کتنے ہی وقت سے اسے ماضی دہراتے نہیں سنا۔ وہ بھول رہا ہے اور ہمیں چاہیے کہ اسے ماضی بھولنے میں مدد کریں۔ وہ زاہدہ کو پائے گا تو واقعی سب کچھ بھول جائے گا۔ اور مجھے یقین ہے کہ زاہدہ ہی وہ لڑکی ہے' جو اس کی زندگی بدل کر اس میں خوشیاں بکھیر سکتی ہے۔ اسے دوبارہ خاندان میں مقام دلا سکتی ہے۔"

"کیا آپ نے رفیق اور زاہدہ سے بات کرلی ہے اس سلسلے میں۔" زرمینہ نے پوچھا۔

"نہیں ابھی نہیں۔ پہلے صابر خان اور تم مان جاؤ' پھر میں رفیق سے بات کروں گا اور وہ انکار نہیں کرے گا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں زاہدہ کے لیے پسندیدگی دیکھی ہے۔"

"لالہ! میں وعدہ کرتی ہوں کہ زاہدہ کو اپنی بیٹی سے بھی زیادہ حق دوں گی۔ آپ کو میری طرف سے کبھی کوئی شکایت نہ ہوگی۔ میں آپ کے ساتھ ہوں آپ اللہ کا نام لے کر شروع کریں۔"

سرور خان نے مسکراتے ہوئے ان کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اسی وقت گیٹ پر ہارن کی آوازیں آنے لگیں۔ زرمینہ جلدی سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم کی طرف چلی گئیں اور سرور خان سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

☼ ☼ ☼

فون کی مسلسل گھنٹیوں کی وجہ سے ان کی نیند ٹوٹی تھی۔ انہوں نے سائیڈ ٹیبل سے اپنی گھڑی اٹھا کر ٹائم دیکھا' رات کے تین بج رہے تھے۔ انہوں نے گھبرا کر فون اٹھایا دوسری طرف زرمینہ رو رہی تھیں۔

"لالہ! رفیق کو بچالیں۔ اس کا باپ اسے مار ڈالے گا۔ لالا! جلدی۔۔۔" پھر ریسیور میں اگلی آواز زرمینہ کی سنائی دی۔

"تایا جان! ماں بے ہوش ہوگئی ہیں۔ آپ جلدی سے صدر کے تھانے پہنچ جائیں۔ لالہ کو پولیس نے پکڑ لیا ہے اور بابا جان ضمانت کروانے کے بجائے اپنی گن لوڈ کر رہے ہیں۔ میں کیا کروں تایا جان؟"

"تم گھبراؤ نہیں۔ میں تھانے جاتا ہوں۔" وہ تیمور خان کو بتا کر تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے تھانے پہنچے۔

"خان صاحب! آپ پہلی مرتبہ آئے ہیں رفیق کے سلسلے میں مگر میں آج اسے جانے نہیں دوں گا۔ آج اس نے حد کردی ہے۔ آپ کو وکیل بلانا پڑے گا ضمانت کے لیے۔" انسپکٹر نے سرور خان کا لحاظ کرتے ہوئے کہا۔

"اور صابر خان صاحب نے تو فون پر ضمانت دینے اور اسے رہا کرنے سے منع کردیا ہے۔"

سرور خان نے اپنے وکیل کو فون کرکے اسے تھانے پہنچنے کو کہا پھر انسپکٹر کی طرف متوجہ ہوئے۔

"کیا کیا ہے رفیق نے۔"

"پہلے وہ صدر کے ایک جیولری شاپ کا تالا توڑ رہا تھا۔ جب اسے پکڑ لیا گیا تو اس نے ڈیوٹی افسر اور دو سپاہیوں کی پٹائی کردی۔ ایک سپاہی کا بازو توڑ دیا اور ڈیوٹی افسر کا سر پھاڑ دیا۔ پولیس موبائل کی ونڈ اسکرین بھی توڑ دی اور وہ سخت نشے کی حالت میں بھی ہے۔ پیچھے کئی مہینوں سے اس کی نشے میں جھگڑا اور مار پیٹ کی حرکتوں میں یہ سب سے بڑی واردات ہے۔ وہ تو ڈیوٹی افسر آپ کے بھائی اور خاندان کو جانتے ہیں ورنہ شوٹ بھی کرسکتے تھے۔"

سرور خان کوئی جواب نہ دے سکے۔ وکیل صاحب کے آنے کے بعد سرور خان انسپکٹر کے تعاون سے

معاملات طے کرنے لگے تھے کہ صابر خان وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے غصہ میں ضمانت منسوخ کرنے کو کہا مگر سرور خان نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ تمام معاملات طے کرنے میں انہیں ایک گھنٹہ لگا اور ضمانت منظور ہوگئی۔

رفیق خان سامنے آیا تو اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر چوٹوں کے نشان تھے۔ منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ ہونٹ سوجے ہوئے تھے۔ کپڑے پھٹے ہوئے اور آنکھیں نشے سے بند ہوئی جارہی تھیں۔ وہ اپنے ہوش میں نہیں تھا۔

سرور خان نے انسپکٹر سے الوداعی مصافحہ کیا اور رفیق خان کو خود سہارا دے کر گاڑی تک لائے۔ گاڑی میں بٹھا کر انہوں نے وکیل کو چند ہدایات دے کر رخصت کیا اور پھر اپنے کنٹری کلب والے فلیٹ کی طرف روانہ ہوگئے۔

صبح کے تقریباً" چھ بج رہے تھے۔ یہ پانچ بیڈ روم کا فلیٹ تھا' جو انہوں نے گاؤں سے آنے والے سرداروں کے لیے مخصوص کیا ہوا تھا۔ عام دنوں میں یہاں ان کے مسلح آدمی رہتے تھے۔ فلیٹ کی دیکھ بھال بھی وہی کیا کرتے تھے۔ رفیق خان کو ان کے حوالے کر کے انہوں نے چند ہدایتیں دیں اور وہیں سے صابر خان کے گھر کا رخ کیا۔

صابر خان لاؤنج میں ہی ٹہل رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی صوفے پر سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ سرور خان' صابر خان کے برابر میں بیٹھ گئے چند لمحوں بعد انہوں نے چھوٹے بھائی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ صابر خان ان کے گلے لگ کر رونے لگے۔ سرور خان انہیں پیار سے چھوٹے بچوں کی طرح سہلانے لگے۔

"لالہ! میں بہت تھک گیا ہوں۔ نہیں برداشت ہوتا۔ میں اب یا تو خود کو شوٹ کردوں گا یا اسے۔ اب بہت ہوگئی لالہ!"

"اللہ اپنے بندے پر اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا صابر! ہمت سے کام لو۔ تیز بھاگتی ٹرین کو سامنے آکر نہیں' اس کے ساتھ دوڑ کر روکنا پڑتا ہے۔ اگر سامنے آؤ گے تو ٹرین تمہیں اڑا دے گی۔ رفیق خان اس وقت تیز رفتار ٹرین ہے' جسے ہم نے روکنا ہے۔ اس طرح دل برداشتہ ہو کر تو کچھ حاصل نہیں ہو سکے گا۔"

صابر خان نے کوئی جواب نہ دیا۔ کمرے میں خاموشی تھی۔ دونوں بھائی گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ کافی دیر بعد سرور خان نے صابر خان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"صابر! تم رفیق سے چھٹکارا پانا چاہتے ہو تو سمجھو اب تمہاری زندگی میں رفیق نہیں ہے۔ اس معاملے کو اب میں سنبھالوں گا۔ رفیق اب میری ذمہ داری ہے۔"

سرور خان اپنی بات پوری کر کے چند لمحے بیٹھے پھر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔

☆ ☆ ☆

امبر کے ڈرائنگ روم میں بچوں کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ عبدالرحمٰن' عبداللہ' بشامہ اور امبر سر جوڑ کر بیٹھے زاہدہ اور رفیق خان کو قریب لانے کے لیے حل تلاش کر رہے تھے۔

"اگر میں اسکول سے کہیں غائب ہو جاؤں تو لازماً" بابا جان اور ماں مجھے ڈھونڈنے کے لیے ضرور اکٹھے ہو جائیں گے۔۔۔ کیوں؟" عبدالرحمٰن نے تجویز دی۔

"مگر تمہیں تلاش کرنے کے لیے تو دادا جان ہی زمین آسمان ایک کر دیں گے۔ وہ کیوں بابا جان کو بھنک پڑنے دیں گے اور پھر تم جاؤ گے کہاں اور کتنی دیر چھپے رہ سکو گے؟" بشامہ نے اس کی تجویز رد کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہ ہم ماں اور بابا جان کی اکیلے میں ملاقات کروائیں' پھر ظاہر ہے کچھ تو بات کریں گے۔" عبداللہ نے تجویز دی تو امبر نے کہا۔

"یہ ٹھیک ہے مگر پہلے ایک کام کرو۔ جب تمہارے بابا جان آئیں تو بہانے بہانے سے کوئی ماں کی اچھائی کرے اور دو سرا برائی' پھر ظاہر ہے رفیق لالہ کتنا سنیں

گے۔ کچھ تو کہیں گے۔ یہی چیز اپنی ماما کے ساتھ بھی کرو' کچھ تو اندر سے نکلے گا۔ پھر طے کریں گے کہ کیا کرنا ہے۔ ہو سکتا ہے میں تمہارے چاچا سے بھی مدد لوں۔"

"مگر خالہ! ماں سے تو ہم بات کر ہی لیں گے' وہ تو گھر پر ہی ہیں مگر بابا تو ایک ہی بار ملتے ہیں مہینے میں۔ ان کا دل کیسے ٹٹولیں گے؟" بشامہ نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہ مسئلہ تو ہے۔" پھر چند لمحے سوچتے ہوئے امبر نے کہا" کیوں نہ چچا جان کو بتائے بغیر تم لوگ باہر خود ہی لالہ سے ملو اور بات کرو۔ جیسے کبھی گھومنے جاؤ تو انہیں بھی فون کر کے بلا لو۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" بشامہ کے ساتھ ساتھ عبدالرحمن اور عبداللہ بھی راضی ہوگئے۔

☆ ☆ ☆

ایئرپورٹ پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ وہ اسلام آباد جا رہا ہے۔ دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ اسلام آباد ایئرپورٹ سے ٹیکسی میں وہ ہوٹل پہنچے۔

سرور خان بھی اس پر جان چھڑکتے تھے مگر پچھلے دنوں ہونے والے واقعات نے اس محبت کو بہت متاثر کیا تھا۔

سرور خان اس کے ڈر کو محسوس کر رہے تھے۔ اور یہی چاہتے تھے کہ وہ ڈرے۔ وہ طے کر چکے تھے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد تقریباً" دو گھنٹے کے وقفے سے ویٹر چند بوتلیں لے کر آیا۔ رفیق اپنی جگہ پر جما بیٹھا رہا۔ سرور خان نے ڈرنک تیار کر کے اس کے سامنے رکھی اور اسے پینے کا اشارہ کیا۔ گلاس رفیق کے سامنے رکھا تھا اور وہ اپنے پیروں کے انگوٹھوں سے کارپٹ کو کھرچ رہا تھا۔ اس کی نظر نہیں اٹھ رہی تھی۔ اس کے چہرے کے آتے جاتے رنگ بتا رہے تھے کہ وہ کتنا شرمندہ ہے پھر کافی دیر بعد رفیق نے جھکے سر سے کہا۔

"بابا جان! مجھے معاف کردیں۔"

"پوچھ سکتا ہوں' کس چیز کی معافی مانگ رہے ہو؟" ان کی آواز بہت سخت اور بھاری تھی۔ رفیق کوئی جواب نہ دے سکا۔

"رفیق خان! تم نے آج بے خبری میں اپنے دادا کی بات سچ کر دی۔ وہ کہتے تھے' تعلیم انسان کو صرف چیزوں کا علم دیتی ہے۔۔۔ شعور نہیں۔"

رفیق سے آنکھ نہ اٹھائی گئی۔

"میں تم سے کوئی شکایت نہیں کر رہا' کیونکہ تم پر محنت فضول ہے۔ تمہاری بہترین تعلیم نے تمہیں علم دیا' دنیا دکھائی مگر اچھے برے کا شعور نہیں دیا کہ تم صحیح راستہ چنتے۔ تمہاری معافی تمہارے غلط ہونے کا ثبوت ہے۔ میں چاہتا ہوں تم دو دن یہاں اکیلے رہو اور سوچو کہ تم نے جو کیا' وہ صحیح تھا یا غلط۔ میں جا رہا ہوں رفیق خان! تم بغیر کسی گارڈ اور کسی لاک کے اس کمرے میں میری طرف سے قید ہو۔ یہاں تمہاری ہر ضرورت بشمول عیاشی کے سامان کے موجود ہے۔ جو چاہو گے مل جائے گا۔ دو دن بعد میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔ تم اس کمرے سے باہر نہیں جا سکتے اگر جاؤ گے تو نتائج خراب بھی ہو سکتے ہیں۔ یاد رکھنا! یہ صرف دھمکی نہیں ہے۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ اٹھے اور کمرے سے باہر نکل گئے اور کراچی واپس آکر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

دو دن تک سرور خان بظاہر اپنے کام میں مصروف رہے مگر انہوں نے اسلام آباد میں اپنے بندے لگا رکھے تھے' جو انہیں پل پل کی خبر دے رہے تھے۔ دو دن بعد وہ شام کی فلائٹ سے اسلام آباد پہنچے۔

دستک پر رفیق خان نے دروازہ کھولا تو سرور خان حیران رہ گئے۔ بکھرے بال' کھلا گریبان۔۔۔ وہ بہت پریشان اور گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔ چہرہ زرد ہو رہا تھا اور جسم میں ہلکا سا ارتعاش بھی تھا۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ اس نے دو دن سے کوئی نشہ نہیں کیا تھا۔ وہ

بہت بے چین نظر آرہا تھا۔ سرور خان کے سامنے بیٹھا وہ بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ آنکھیں اور دانت بھینچ کر وہ اپنی اندرونی کیفیت کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"پھر کیا سوچا تم نے؟" رفیق خان نے تھوڑی دیر کوئی جواب نہ دیا۔ پھر کانپتی آواز میں بولا۔

"مجھے معاف کردیں بابا جان!"

اسے اس کمرے میں ہر چیز مہیا تھی اس کے باوجود اس نے نشہ نہیں کیا۔ وہ خوش ہوئے مگر ظاہر نہ کیا پھر جیسے تصدیق کے لیے پوچھا۔

"تمہارے سوری سے کیا میں یہ سمجھوں کہ تم اپنی ہر بات کے لیے شرمندہ ہو اور اب سب ٹھیک کرنا چاہتے ہو؟" اس نے منہ کھولے بغیر تیز تیز سر ہلا کر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

"مجھے قول دو کہ تم اب وہی کرو گے، جو میں چاہوں گا۔" انہوں نے پھر پوچھا رفیق خان نے پھر سر ہلا دیا۔

رفیق خان نے اپنا کانپتا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا جو برف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ سرور خان نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا اور کہا۔

"آج تم نئی زندگی شروع کر رہے ہو۔ نہا کر دو رکعت نفل پڑھو۔ جب تک میں حساب کر کے آتا ہوں، پھر چیک آؤٹ کرتے ہیں۔"

وہ یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

سرور خان نے اسلام آباد کے بڑے اسپتال میں چار مہینے تک رفیق کا علاج کروایا۔ جہاں اسے نشے کی عادت سے نجات ملی، پھر اسے کراچی بلوالیا۔ اپنے اپارٹمنٹ میں رکھا اور اپنے بڑے بیٹے احتشام خان کے ساتھ کام پر لگا دیا۔ احتشام بہت زیادہ ٹھنڈے مزاج کے نرم خو انسان تھے۔ ان کی کمپنی رفیق خان کے لیے ایک بڑے بھائی کی کمپنی تھی۔ وہ بہت زیادہ رفیق خان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے مگر سب کچھ ٹھیک ہوتے ہوئے بھی وہ اکثر اداس ہی رہتا تھا۔ دن بدن کم گو ہوتا جا رہا تھا مگر کام میں اس کا دھیان اور توجہ بڑھنے لگی، جس سے کمپنی کو فائدہ ہونے لگا۔ وہ پھر سے بزنس میں مشہور ہونے لگا۔ مگر اس کا مزاج نہیں بدل سکا۔ وہ خاموش اور الگ تھلگ ہی رہتا تھا۔ آفس سے فلیٹ پر اور فلیٹ سے آفس۔۔۔ یہ تھی اس کی زندگی۔

ایک سال مکمل ہو گیا تھا۔ اسے گھر سے نکلے ہوئے پھر سرور خان نے صابر خان سے بات کر کے اسے گھر میں واپس بلوالیا۔ اب وہ اپنے گھر میں رہتا تھا مگر اس کا زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں گزرتا۔ وہ گھر میں کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔

☆ ☆ ☆

رفیق خان زاہدہ کو دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ پانچ فٹ سے نکلتا قد سڈول و گداز بدن گورا رنگ۔ جو اس وقت گلابی ہو رہا تھا۔ چہرے کے نازک نقش، بڑی بڑی بھوری آنکھیں، گھنی کمان دار ابرو، ستواں ناک، چھوٹا دہانہ نازک گلابی ہونٹ لمبے بال جو کہ پونی میں بندھے کمر کے نیچے تک لہرا رہے تھے۔ سفید جرسی سیاہ جینز اور گلے میں جھولتا گولڈ میڈل۔ سرور خان اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔

"تم نے اپنی آگے کی زندگی میں کیا کرنا ہے، کچھ سوچا ہے؟"

اس کی طرف سے بہت حد تک مطمئن ہو جانے کے بعد انہوں نے لنچ کرتے ہوئے پوچھا۔ رفیق نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"زندگی صرف بزنس کے ساتھ نہیں گزرتی۔ گھر اور فیملی بھی بہت معنی رکھتی ہے۔ بندہ کی ساکھ اور شناخت ہوتی ہے اس کی فیملی، اس کا گھر۔" سرور خان نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"یہ ضروری نہیں ہے بابا جان! اب دور بدل گیا ہے۔" وہ دو ٹوک الفاظ میں بولا۔

"کوئی بھی دور انسان کی ضروریات کو نہ ختم کرتا ہے، نہ بدل سکتا ہے فیملی انسان کی فطری ضرورت ہے۔ اسے کوئی دور نہیں ختم کر سکتا۔" سرور خان نے کہا۔

"آپ میری شادی کرنا چاہتے ہیں؟" رفیق کا لہجہ قطعی تھا۔

"تمہیں کوئی اعتراض ہے؟"

رفیق خان ایک دم خاموش ہو گیا۔ چہرے پر عجیب سا تاثر ابھر آیا۔ اس کا ہاتھ رک گیا۔

"رفیق خان! کھانا کھاؤ۔ شادی ضروری ہے یا نہیں بعد میں سوچنا اس وقت کھانا ضروری ہے۔"

☼ ☼ ☼

کمپنی کے کام سے رفیق خان کو پشاور جانا پڑا تھا مگر ایک مہینہ گزرنے کے بعد بھی جب وہ واپس نہ آیا تو سرور خان نے بلوالیا۔ ناچار اسے آنا پڑا۔

"برخوردار! تم اتنے دن پشاور میں رہے، تم نے سوچا نہیں شادی کے بارے میں؟"

رفیق خاموشی سے تایا کو دیکھتا رہا جو اس کی لائی ہوئی فائل دیکھ رہے تھے۔

"تایا جان! آپ جانتے ہیں، میں شادی شدہ ہوں اور میں دوسری شادی نہیں کرنا چاہتا۔ میری بیوی اللہ نے چاہا تو مجھے مل جائے گی۔ وہی میری فیملی ہے، پھر مجھے کسی فیملی کی کیا ضرورت ہے؟"۔

اس کا لہجہ دو ٹوک تھا۔ سرور خان کے چہرے پر عجیب تاثرات تھے۔

"رفیق! ثمرین اب تمہارا ماضی ہے۔ بہتر ہے اسے بھول جاؤ۔ وہ تمہارا نصیب نہیں ہے۔ ورنہ وہ آج تمہارے ساتھ ہوتی۔ اپنی ماں کے ساتھ جانے کو ترجیح نہ دیتی۔"

رفیق نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "وہ اپنی مرضی سے نہیں گئی ہے۔ بابا جان نے اسے زبردستی ملک سے باہر بھیج دیا ہے۔"

سرور خان نے اس کی بات سنی اور پھر اطمینان سے بولے۔

"یہ زبردستی صابر نے نہیں کی۔ اس کی ماں نے اس کے ساتھ کی ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ ثمرین کو باہر بھیج دیا جائے۔ وہ خود بھی تمہارے خلاف تھی۔"

"وہ میرے خلاف اس لیے ہو گئی تھیں کہ بابا جان نے انہیں میرے خلاف کیا۔ انہیں دھمکایا تو وہ اور کیا کرتیں؟ میرے جذبے کی سچائی پر انہیں رتی بھر بھی یقین نہ تھا۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ میں اتنے بڑے خاندان سے ہوں۔ تھوڑے دن ساتھ رہ کر ان کی بیٹی کو چھوڑ دوں گا۔" وہ تاسف سے بولا۔

"رفیق! میں اس بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا مگر اتنا مجھے معلوم ہے کہ اس عورت نے خود اپنی بیٹی کا گھر اجاڑا ہے۔ اس نے ایسا کیوں کیا ہے۔ یہ تم زیادہ بہتر جانتے ہو گے میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

"تایا جان! میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا اور نہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری زندگی اگر میرے باپ نے بنائی تھی تو تباہ بھی انہوں نے ہی کی ہے۔ ثمرین کو مجھ سے انہوں نے جدا کیا ہے۔"

کافی دیر خاموشی رہی، پھر سرور خان بولے۔

"برخوردار! میں تم سے رعایت کر رہا ہوں جو تم سے پوچھ رہا ہوں۔ ورنہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ اپنے فیصلے کے لیے میں تم سے پوچھوں مگر ایک بات جو مجھے دیکھنی تھی وہ یہ تھی کہ تم کتنے حقیقت پسند ہو۔ تم نے مجھے مایوس کیا۔ تم تو ہر چیز پر سطحی نظر رکھتے ہو۔ بات کی تہہ میں جانا تو تمہارا مزاج ہی نہیں۔ اور ایسے مرد ہمارے قبیلے کی سربراہی کے لائق نہیں ہیں۔ تم تو بہت جذباتی ہو اور سردار جذباتی نہیں ہوتے۔ دل میں درد رکھتے ہیں مگر کام عقل اور حوصلے سے لیتے ہیں اب یہ سرداری رخصت ہو جائے گی ہمارے خاندان سے اور اس کا سہرا تمہارے سر ہے۔ مبارک ہو اور یہ مبارک باد اس بات کے لیے بھی ہے کہ جو بدلہ تم صابر خان سے لینا چاہتے تھے لاکھوں غریبوں سے لے لیا۔ اب خوش ہو جاؤ اور ایک لڑکی کی خاطر لاکھوں قبیلے والوں کی بددعائیں سمیٹو۔"

"سرداری تو لالہ احتشام کا حق ہے۔ میں تو بہت چھوٹا ہوں۔ اور اگر یہ میرا حق ہے بھی تو کیا میں بغیر شادی کے یہ خدمت انجام نہیں دے سکتا۔" سرور خان نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"تمہاری زندگی کی طرح کے اصول نہیں ہیں ہمارے قبیلے کے۔ قبیلے میں سب ایک دوسرے کے لیے جیتے ہیں۔ نہ مرد صرف ایک عورت کے لیے جیتا

مرتا ہے۔ اور نہ عورت کسی ایک مرد کے پیچھے باقی تمام لوگوں کا حق مارتی ہے۔ احتشام خان کی سرداری ناممکن ہے۔ اس نے خاندان سے باہر بزنس حلقے میں شادی کی ہے۔ سرداری کے لیے خاندان میں شادی ضروری ہے۔ اب تم پر نظر تھی۔ اسی لیے تمہاری خاص تربیت کی گئی مگر تم ایک لڑکی کے لیے ہزاروں لوگوں کو خوار کرنے پر تلے ہو۔ بغیر شادی کے تمہیں اس کرسی پر نہیں بٹھایا جا سکتا۔ کیونکہ تم اگر خاندان میں شادی کرتے ہو تو بیک وقت تم قبیلے کے بیٹے اور داماد ہوتے ہو۔ ہم دونوں بھائیوں کی شادی خاندان میں ہوئی۔ میں سردار ہوں اور اب تک زندہ ہوں اس لیے صابر سردار نہیں بن سکا اور اب تو ہماری اولادیں جوان ہو گئی ہیں۔ مگر افسوس!" انہوں نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"مگر تایا جان! یہ صرف میری زندگی اور آپ کے قبیلے کی سرداری کا ہی سوال نہیں ہے۔ بلکہ اس لڑکی کا بھی سوال ہے۔ جو میری زندگی میں آئے گی۔ میں اسے خوش نہیں رکھ سکوں گا۔ اس کے اور میرے درمیان ہمیشہ ثمرین حائل رہے گی اور اگر وہ واپس آگئی تو میں اس کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔ وہ میری بیوی ہے تایا جان! میں نے اس سے نکاح کیا ہے۔"

"رفیق خان! مجھے لگتا ہے اب تم پر اپنا فیصلہ مسلط کرنا پڑے گا۔ میں تمہاری ایک بچکانہ خواہش کے لیے اپنے باپ دادا کا مان اور فخر داؤ پر نہیں لگا سکتا۔ تم آج بھی وہ بچے بن رہے ہو جو اپنے فیصلے نہیں کر سکتے اور ان کے فیصلے ماں باپ کو کرنے پڑتے ہیں۔ جو لڑکی میں تمہارے لیے منتخب کر چکا ہوں وہ تمہارے لیے بہترین جوڑ ہے اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تم اسے خوش نہ رکھو۔ مجھے اللہ اور اپنے انتخاب پر پورا بھروسا ہے۔ رہی ثمرین تو مجھے یقین ہے، وہ نہیں آئے گی۔ اور اگر وہ تم سے وہی جذباتی لگاؤ رکھتی ہے، جو تم اس کے لیے رکھتے ہو تو پھر وہ تمہاری ہنستی بستی زندگی نہیں اجاڑنا چاہے گی اور جو لڑکی میں نے تمہارے لیے پسند کی ہے، وہ خود بھی تمام معاملات کو حل کرنے میں بہت خاص ہے۔" سرور خان نے سخت لہجے میں کہا۔

"جب آپ فیصلہ کر چکے ہیں تو مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں میں تو سمجھا تھا کہ آپ مکمل علاج اور بری عادتیں و صحبتیں ترک کرنے کے لیے قول لے رہے ہیں مگر میرے باپ کی طرح آپ نے بھی مجھے ثمرین سے الگ کرنے کے لیے یہ سب پلان کیا ہے۔ آپ کی جو مرضی میں آئے کریں۔ میری طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہو گی مگر نکاح کے بعد میں جیسے چاہوں گا اپنی شریک حیات کو رکھوں گا۔ قول کی قیمت جانتا ہوں مگر یہ بات واضح کر دوں کہ یہ قول نکاح تک ہے اس کے بعد میں اس سے آزاد ہو جاؤں گا۔"

سرور خان نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

☼ ☼ ☼

گاڑی تیزی سے بنگلے میں داخل ہوئی اور ڈرائیوے میں رک گئی۔ رفیق خان چپل پہنے بغیر دوڑتے ہوئے لاؤنج کے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ خوشی جیسے سما نہیں رہی تھی اس کے سینے میں۔ وہ لاؤنج سے باہر آیا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر تینوں بچوں کو بے اختیار سینے سے لگا لیا۔

رفیق خان کی خوشی کا اندازہ اس کے لال ہوتے چہرے سے لگایا جا سکتا تھا۔ رفیق خان نے تینوں کو بازو سے پکڑ پکڑ کر اپنے سامنے والے صوفے پر بٹھایا اور انہیں بے یقینی کے عالم میں مسکراتے ہوئے دیکھنے لگا۔ بچے اس کی کیفیت دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

"اجازت کیسے ملی یہاں آنے کی؟"

"آپ سے ملنے کا دل چاہ رہا تھا اس لیے آ گئے۔ ٹھیک کیا نا ہم نے بابا جان۔" عبدالرحمن کی بات پر رفیق خان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"آج اگر اللہ سے اور کچھ بھی مانگتا تو مل جاتا۔ بہت اچھا کیا تم نے جو آ گئے۔ جب دل چاہے آ جایا کرو۔ یہ تمہارا ہی گھر ہے۔" رفیق نے دھیمے لہجے میں اپنی بات پوری کی۔

"مگر ہمیں معلوم ہی نہیں ہے کہ آپ کا شیڈول کیا

ہوتا ہے۔ آپ کا نمبر بھی ہمارے پاس نہیں ہے۔ میرے خیال میں ماما کے پاس بھی نہیں ہوگا۔"

رفیق نے مسکراتے ہوئے بیٹی کی طرف دیکھا۔ جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مگر آنکھوں میں امید، اداسی اور ارمان سب کے ملے جلے تاثرات تھے۔ یہ اس کی آنکھیں تھیں جو شاہ کو ملی تھیں۔ بولتی ہوئی بڑی بڑی گہری سبز آنکھیں۔

"بابا جان اگر آپ اللہ سے کچھ اور مانگتے تو کیا مانگتے۔"

رفیق خان کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی۔ عبدالرحمن اور عبداللہ باپ کا غور سے جائزہ لے رہے تھے۔

رفیق خان نے لمبا سانس کھینچا' پھر ملازم کو آواز دی اور اپنا موبائل لانے کو کہا۔ کارڈ پر تمام نمبر لکھ کر عبدالرحمن کی طرف بڑھائے اور اپنے موبائل پر ان تینوں کے نمبر لے لیے۔ ان تینوں نے جان بوجھ کر زاہدہ کا نمبر نہیں دیا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد رفیق خان نے موبائل نیچے رکھ دیا۔ تینوں بچے بظاہر باتوں اور کھانے میں مصروف تھے مگر باپ پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ سات بجے تینوں نے باپ سے اجازت لی۔ رفیق خان نے تینوں کو گلے لگایا اور گاڑی تک رخصت کیا۔ ڈائننگ ہال میں آکر اپنا موبائل اٹھایا تو اسکرین پر زاہدہ کا نام اور نمبر چمکتا دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی پھر ان کی نظر رائٹنگ پیڈ پر گئی' جہاں لکھا ہوا تھا۔

"جس طرح نمبر کا انتظار تھا اور مل گیا۔ میری ماں کی بھی تمنا تجھے ضرور ملیں گی۔"

☼ ☼ ☼

"کیا تم جاننا چاہتے ہو' وہ لڑکی کون ہے؟" ہوٹل میں لنچ کرتے ہوئے سرور خان نے بغیر کسی تمہید کے سوال کیا۔

"جی۔" رفیق خان نے ہمیشہ کی طرح مختصر جواب دیا۔

سردار خان نے بڑے اطمینان سے اس کی طرف دیکھا اور نیپکن سے اپنے ہونٹ پونچھتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"میری بیٹی زاہدہ خان۔"

رفیق کے ہاتھ سے چمچ چھوٹ گیا۔ وہ حیرانی سے سرور خان کو دیکھنے لگا۔

"میں اگلے مہینے کی ابتدائی اسلامی تاریخوں میں سے تمہارے نکاح کی تاریخ طے کردوں گا۔"

"یہ ظلم ہے اس معصوم پر جبر ہے تایا جان! خدا سے ڈریے۔ وہ مجھ سے بہت چھوٹی ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوگا تایا جان! ابھی نہیں۔" وہ کچھ دیر رکا اور پھر بولا۔

"مجھے آپ کا فیصلہ نامنظور ہے۔ میں اپنے قول کو توڑتا ہوں۔ بھلے آپ مجھے بدعہد کہیں۔ مگر میں یہ نہیں کرسکتا۔ کبھی نہیں۔" اس کی آنکھوں میں غصہ تھا' وحشت تھی۔

"میں بھاگ جاؤں گا تایا جان! میں اپنے آپ کو ختم کرلوں گا مگر یہ ظلم نہیں ہونے دوں گا۔"

سرور خان نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اسے چند لمحے دیکھا اور پھر پرسکون انداز میں کہا۔

"کیا کمی ہے اس میں؟"

"کوئی کمی نہیں ہے۔ وہ مجھ سے بہتر مرد کی حقدار ہے۔ آپ ظلم کررہے ہیں اس پر۔" وہ بھڑک کر بولا۔

"تم اپنی بات کرو خان! زاہدہ کی بات رہنے دو۔ کیا تمہیں زاہدہ ناپسند ہے۔" سرور خان نے سکون سے اپنا سوال دہرایا۔

"میں اسے اس نظر سے نہیں دیکھتا۔"

"مجھے میرے سوال کا میرے الفاظ میں جواب دو' ہاں یا نہیں؟ ورنہ میں اسے تمہاری رضامندی شمار کرلوں گا۔ کیا تمہیں زاہدہ ناپسند ہے ہاں یا۔"

"نہیں' نہیں' نہیں۔ مجھے زاہدہ پسند نہیں ہے نہیں ہے' نہیں ہے۔ اگر آپ سو بار بھی پوچھیں گے میں نہ میں ہی جواب دوں گا۔"

"ایک سردار اپنا فیصلہ کبھی نہیں بدلتا رفیق! تمہیں معلوم ہے اور میں فیصلہ کرچکا ہوں۔ وہ تمہارا گھر

بسائے گی ورنہ ہمیشہ بیٹھی رہے گی۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کرو۔ بھاگنا ہے بھاگ جاؤ۔ مرنا ہے مرجاؤ مگر زاہدہ نہ بھاگے گی اور نہ خود اپنی زندگی ختم کرے گی۔ میں اس کا کفیل ہوں۔ اس نے فیصلہ کا حق مجھے دیا ہے اور میں وہی کررہا ہوں' جو اس کے حق میں بہتر ہے۔ تمہاری سطحی اور بے شعور نظر اس دوراندیشی کو چھو بھی نہیں سکتیں جس کے تحت میں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ اگر یہ ظلم ہے تو یہ تم اس معصوم پر کروگے میں نہیں۔ تمہیں اپنے قبیلے کے رسم و رواج کا خوب علم ہے۔ جو لڑکی کسی سے ایک بار منسوب ہوجائے' وہ تاحیات اسی کے نام پر بیٹھی رہتی ہے۔" سرور خان نے سنجیدگی سے بات پوری کی۔

"آپ مجھے اس طرح نہیں دھمکا سکتے۔ آپ کی اولاد ہے۔ جو چاہے سلوک کریں۔ میرا اس سے کوئی تعلق' واسطہ نہیں ہے۔" یہ کہہ کر وہ جھٹکے سے اٹھا اور ہوٹل سے نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

زاہدہ نے قہوے میں لیموں نچوڑ کر سرور خان کی طرف بڑھایا اور اپنا کپ اٹھالیا۔

"جان بابا! ایک بات بتانا بچی' بغیر میری فکر کیے۔ جیسے اللہ کے حضور جواب دے رہی ہو۔" سرور خان نے چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"جی بابا جان! پوچھیے۔" اس نے سر اونچا کرکے باپ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"کیا کبھی تمہیں ایسا لگا کہ میں نے تمہارے لیے کچھ غلط یا کچھ الگ سوچا ہو؟ یا تمہارا خیال یا تم سے پیار نہ کیا ہو؟ کبھی کسی بھی بات کی کمی ہوئی ہو جو مجھے نظر نہ آئی ہو مگر تمہیں محسوس ہوئی ہو۔ کیا ایسا کبھی ہوا؟"

"نہیں بابا جان! کبھی نہیں۔ آپ نے تو ماں کی بھی ساری کمی پوری کی ہے اور میری بات کا اللہ گواہ ہے۔"

"جان بابا تمہاری محبت ہے مگر آج جو بات میں تم سے کرنا چاہتا ہوں' وہ صرف میں اپنے لیے کررہا ہوں۔ اس میں صرف میری غرض ہے۔ زاہدہ! میں چاہتا ہوں تم میری ایک خواہش پوری کرو مگر اس کے لیے تمہیں اپنی خواہش چھوڑنی پڑے گی۔ کیا تم میرے لیے قربانی دے سکتی ہو۔" زاہدہ نے چند لمحے باپ کی آنکھوں میں دیکھا اور ہونٹ کاٹتے ہوئے تابع داری سے سر جھکاتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

"میں کوشش کروں گی بابا جان کہ آپ کو مایوس نہ کروں۔" یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں چھلک گئیں۔ سرور خان نے اس کے آنسو پونچھے اور اسے سینے سے لگالیا۔

"جان بابا! میں اس وقت خود کو کتنا بوجھل محسوس کررہا ہوں اللہ جانتا ہے مگر میں کیا کروں۔ میرے بس میں ہوتا تو میں کبھی بھی تمہارے دل کی خواہش کو اس طرح نہ دباتا مگر میں مجبور ہوگیا ہوں۔ مجھے معاف کردینا میری بچی۔"

وہ باپ کے سینے میں منہ چھپائے چپکے سے آنسو بہا رہی تھی۔

"جان بابا! تیرے لیے دو امیدوار ہیں۔ دونوں ہی اچھے اور بہترین ہیں۔ ایک بلاول خان تمہاری پھوپھی کا بیٹا۔ تمہارے لیے اپنی تمام جائیداد لکھنے کو تیار۔ تم سے محبت اور پسند کا دعوے دار۔ بلاول خان کے لیے تمہارے تینوں بھائی اور چاچا راضی ہیں۔

دوسرا میرا بھتیجا رفیق خان اس کے متعلق کچھ باتیں ہیں' جو اس کے حق میں نہیں جاتیں' جس کی وجہ سے تمہارے بھائی اور چاچا اس کے رشتے کے خلاف ہیں۔ مگر میں تمہاری شادی رفیق خان سے کرنے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔ اب تم اسے میری التجا سمجھو یا حکم' میری خواہش سمجھو یا خود پر جبر' تمہیں میرا ساتھ دینا ہے میرے لیے۔"

وہ چند لمحے رکے۔ زاہدہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی جیسے بیٹھی تھی اس نے باپ سے کوئی سوال نہ کیا۔ کچھ توقف کے بعد سرور خان نے اس کے ماضی کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

"تمہارے لالہ تنویر کے ساتھ باہر سے پڑھنے کے بعد جب وہ واپس آیا۔

اس کی ملاقات اپنے دوست کی کزن سے ہوئی اور باوجود باپ سے اختلاف کے اس نے اس سے کورٹ میرج کرلی۔ تمہارے چاچا کو اس کے غیر قوم ہونے پر اختلاف تھا جو کسی طرح میں نے سمجھا بجھا کر ختم کیا مگر پھر ثمرین کی ماں کا نیکہ نکل آئی۔ اس اختلاف کا میرے پاس جواب نہ بن سکا۔ میں اسے راضی اور مطمئن کرنے میں ناکام رہا۔ تمہارے چاچا نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور چھ مہینے کی سخت تلاش کے بعد انہیں جا پکڑا۔ ثمرین کو اس کی ماں کے حوالے کیا۔ وہ اسے لے کر باہر چلی گئی اور رفیق کو تمہارے چاچا نے قید کرلیا۔ ثمرین کے غم میں رفیق غصے سے پاگل تھا' وہ اپنے باپ سے انتقام لینے پر تل گیا۔ اس نے صابر کو نیچا دکھانے کے لیے ہر وہ حرکت کی جس سے سوسائٹی میں اس کی عزت اور بزنس میں ساکھ اور قبیلے میں نام خراب ہوا۔ تنگ آکر صابر نے اسے اپنے ہاتھ سے شوٹ کرنے کا فیصلہ کرلیا تو میں نے رفیق کی ذمہ داری لی اور دن رات محنت کرکے اسے دوبارہ قابل کیا۔ آج وہ کامیاب ہے مگر اپنے ماضی کی وجہ سے سب کی نظروں میں وہ اپنی اہمیت کھو چکا ہے۔ جب سے رفیق خان کی زندگی بگڑی ۔ایک دن بھی میں نے صابر کو خوش نہیں دیکھا پھر اب تو میں اپنے بچوں کی اور اپنی کوئی خوشی بھی اس سے شیئر کرتے شرماتا ہوں کہ وہ دل میں کہیں احساس نہ کرے۔

مجھے یاد ہے جب وہ صرف چھ سال کا' تہمینہ سات کی اور میں گیارہ سال کا تھا۔ میری ماں کس تکلیف میں تھی۔ میرے باپ کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر بار بار کہتی تھی۔ میرے بچوں کا خیال رکھنا۔ مجھے پاس بلا کے کہتی ۔صابر کا خیال رکھنا' چھوٹا بھائی ہے۔ میں روتا جاتا اور ماں کو تسلی دیتا۔ میں جب بھی صابر کو دیکھتا ہوں' ماں کی آواز سنائی دیتی ہے کہ صابر چھوٹا ہے' خیال رکھنا۔"

سرور خان کی آواز رندھ گئی تھی۔ وہ کچھ دیر خاموش رہے پھر اپنے آنسو چھپانے کے لیے ممتاز بیگم کی تصویر کے سامنے کھڑے ہوگئے۔

"اپنی ماں سے کیا وعدہ آج تم سے قربانی مانگ رہا ہے میری بیٹی! تمہاری قربانی مانگ رہا ہے۔ تاکہ میں روز جزا اپنی ماں کے سامنے اور اپنے اللہ کے سامنے سرخرو ہوسکوں۔

زاہدہ جان! میں گاؤں کی کوئی بھی لڑکی لاسکتا تھا مگر مجھے اپنے بھائی کے اسٹیٹس کے لحاظ سے تم سے بہتر کوئی نظر نہیں آرہا۔ تمہیں رفیق خان کو اس کے باپ کے سامنے جھکانا ہے۔ واپس اسے فیملی میں لانا ہے اور قابل فخر قبیلے کا سردار بنانا ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم یہ کرلو گی۔ بہت مشکل ہے میں جانتا ہوں مگر تم بھی کم ہمت یا کمزور لڑکی نہیں ہو۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ تم دو دن تک سوچ لو پھر ہم بات کریں گے۔"

وہ خاموش ہوگئے۔ چند لمحے خاموش رہ کر زاہدہ نے سر اٹھایا اور بڑے مستحکم انداز میں باپ سے کہا۔

"بابا جان! مجھے آپ پر پورا بھروسا ہے۔ مجھے کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے منظور ہے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ بس میری ثابت قدمی کی دعا کیجیے گا۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے مجھے اپنے وعدے کی تکمیل کے لیے چنا۔ میں بہت خوش قسمت ہوں۔ مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے۔"

انہوں نے اسے قریب کرکے گلے لگالیا۔ سرور خان نے رندھی آواز میں کہا۔

"جان بابا! مجھے معاف کرنا۔ میں جانتا ہوں بہت مشکل سفر پر بھیج رہا ہوں تمہیں' مگر میں تمہیں اپنے رب کے سپرد کرتا ہوں اللہ جانتا ہے' مجھے کوئی لالچ نہیں ہے۔ میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔ بس میں اپنے بھائی کی زندگی میں وہ سب خوشیاں دیکھنا چاہتا ہوں' جو پہلے اس کی زندگی کا حصہ تھیں۔"

انہوں نے زاہدہ کو اپنے سینے سے الگ کرکے کہا۔ "میں اور صابر تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ بس تم ہمت رکھنا۔" ان کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

"زاہدہ! ایک اور بات جو میں تم سے کرنا چاہتا ہوں۔" وہ کچھ دیر رک کر بولے۔

"صابر خان اس رشتے پر راضی نہیں ہے۔ وہ رفیق کو تمہارے لائق نہیں سمجھتا۔ اگر رفیق نے تمہیں کوئی تکلیف دی تو وہ اسے شوٹ کردے گا۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے اس شادی پر خاموش کرایا ہے۔ اور اب میں رفیق کو بھی راضی کررہا ہوں۔"

"تو کیا وہ بھی راضی نہیں ہیں؟" زاہدہ نے باپ کی بات کاٹتے ہوئے بے چینی سے پوچھا۔ باپ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوما' پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"مان جائے گا۔ بھوت سوار ہے اس پر کہ تم چھوٹی ہو اس سے بہت۔ وہ صرف نکاح سے دل چرا رہا ہے۔ تمہاری جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی' وہ یہی کہتا۔ وہ آج بھی ثمرین کی واپسی کے مغالطے میں ہے۔ اس لیے شادی نہیں کرنا چاہتا مگر جب شادی ہوجائے گی تو سب سیٹ ہوجائے گا۔"

سرور خان نے اس کے ہاتھوں میں واضح کپکپاہٹ محسوس کی۔ زاہدہ کو زندگی میں پہلی مرتبہ باپ کی بات پر یقین نہ آیا مگر وہ کچھ نہیں بولی اور خاموش رہی۔ سرور خان نے اسے مزید سمجھتے ہوئے کہا۔

"وہ تم سے پوچھے گا' مجھے پتا ہے مگر تم اس سے ڈرنا نہیں۔ میں جانتا ہوں اسے۔ وہ باہر سے بہت سخت بنتا ہے مگر اندر سے بہت اچھا انسان ہے۔ بہت محبت کرنے والا۔ جو کہے' مانتی جانا۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

وہ سر ہلا کر اپنے کمرے میں آگئی اور تکیے میں منہ چھپا کر خوب روئی۔

☆ ☆ ☆

وعدے کے مطابق امبر نے انہیں رفیق خان کے بنگلے کے باہر اتارا اور خود شاپنگ کے لیے چلی گئی۔ آج کی ملاقات بھی اچانک تھی۔ گارڈز نے پہچان کر انہیں اندر جانے دیا۔ تینوں باپ کے بیڈروم میں پہنچ گئے۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ رفیق خان سو رہا تھا۔ وہ دبے قدموں اندر داخل ہوئے اور بیڈ پر دائیں بائیں کھڑے ہوکر زور سے چیخے۔

"سرپرائز۔"

رفیق خان ایک دم جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ تینوں بچے باپ سے لپٹ گئے۔ رفیق خان انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ کچھ دیر ان سے باتیں کرتا رہا۔

پھر فریش ہونے باتھ روم چلا گیا۔ پندرہ منٹ بعد شاور لے کر آیا تو کمرا اس کا لگ ہی نہیں رہا تھا۔ ہر چیز بکھری ہوئی تھی اور تینوں بچے گتھم گتھا تھے۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ آج اسے باپ ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ باپ کو دیکھ کر وہ سب ایک دوسرے کی شکایت کرنے لگے۔ اس نے ہوشیاری سے بشمہ کی چوٹی چھڑائی اور عبدالرحمن کے دونوں ہاتھ اس کی کمر پر لا کر جکڑ لیے اور مسکراتے ہوئے بشمہ سے کہا۔

"لو اب لے لو اس سے بدلہ۔" وہ دھمکاتے ہوئے بولا۔

"بابا جان! یہ دشمنی مہنگی پڑے گی۔"

"دیکھی جائے گی۔" رفیق نے مزا لیتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کی بیوی کو تنگ کروں گا۔ سوچ لیں۔" عبدالرحمن نے ڈرانے والے انداز میں کہا۔ رفیق خان نے قہقہہ لگایا اور اس کا کان مروڑتے ہوئے بولا۔

"اپنے باپ کو دھمکاتا ہے' ٹھہر!"

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی اور ملازم دروازہ کھول کر اندر آیا۔

"خان! بچوں کے لیے کیا بناؤں۔"

"جوس بنا لاؤ سب سے پہلے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم دشمنوں کے گھر کا کچھ نہیں کھاتے البتہ دشمن کسی ہوٹل میں اچھا سا کھانا کھلادیں تو کھالیتے ہیں۔" عبدالرحمن نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"میری ماں' بیوی اور بیٹی۔ تینوں میں سے کسی کو ہاتھ لگایا تو دیکھ لوں گا۔ سمجھے۔" رفیق خان نے ہنستے ہوئے وارننگ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"آج میں بہت خوش ہوں۔ میری فیملی میرے ساتھ ہے۔" رفیق خان نے کمار ریسٹورنٹ کے خوب صورت ماحول میں۔ وہ اپنے بچوں کے ہمراہ بہت لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"بابا جان! آپ کو کوئی کمی نہیں محسوس ہو رہی؟" بشامہ نے باپ کی طرف دیکھا۔ اسے باپ کی آنکھوں میں وہی اداسی نظر آئی جو اسے ماں کی آنکھوں میں اکثر نظر آتی تھی۔

"میری گڑیا! یہ کمی میری سزا ہے۔" بشامہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دونوں بھائی ان کی باتوں سے بے خبر کھانے میں مصروف تھے۔ بشامہ نے کہا۔

"بابا جان! اپنے کیے کی سزا آپ انہیں اب بھی دے رہے ہیں۔ وہ آج بھی انتظار میں ہیں آپ کے لوٹنے کے۔ آپ ٹرائی تو کریں۔ ہم تینوں آپ کے ساتھ ہیں۔" وہ باپ سے التجا کرنے لگی۔

"میں جانتا ہوں۔ وہ مجھے کتنا چاہتی ہے۔ مگر میں کل بھی اس کے لائق نہیں تھا اور آج بھی نہیں ہوں۔ میں نے تمہارا دیا ہوا نمبر کتنی بار ملایا مگر اس سے بات کرنے کی ہمت نہیں کر پایا۔ کس منہ سے بات کروں گا۔"

انہوں نے آہستہ سے کہا۔ "مگر میں بات کروں گا ضرور وعدہ۔" انہوں نے بشامہ کو اداس ہوتے دیکھ کر اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ بشامہ مسکرا دی۔

☆ ☆ ☆

"کیا تم مجھے پسند کرتی ہو؟"

سرور خان کی توقع کے عین مطابق آج وہ ان کے گھر میں زاہدہ کے روبرو بیٹھا تھا۔

"جی ہاں۔" اس کے جواب پر رفیق نے اپنے اکھڑے لہجے کو مزید بگاڑ کر اونچی آواز میں کہا۔ "کیوں؟"

"اس کا جواب تو کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ ثمرین کو کیوں پسند کرتے ہیں؟"

"مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں ہے کہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔"

"وقت ثابت کرے گا کہ میں نہ جھوٹی ہوں اور نہ غلط۔"

"زاہدہ! میں تمہارے لیے مناسب نہیں ہوں۔ میں میرڈ ہوں۔ میری بیوی ہے۔ اور جب بھی وہ مجھے ملے گی میں چلا جاؤں گا تمہیں چھوڑ کر پھر کیا فائدہ ہو گا تمہیں۔"

"اسلام میں چار شادیاں جائز ہیں۔ باقی دو کی میں آپ کو پیشگی اجازت دیتی ہوں۔ باقی رہی ثمرین۔۔۔ اگر وہ بیوی ہے تو آپ پر اس کا حق ہے۔ وہ آئی تو میں وعدہ کرتی ہوں۔ آپ کو نہیں روکوں گی۔ باقی سب اللہ پر چھوڑ دیا ہے میں نے۔" زاہدہ نے تحمل سے جواب دیا۔

"زاہدہ! مجھے معلوم ہے تم پریشر میں آ کر نکاح کے لیے تیار ہوئی ہو۔ تم مجھے پسند نہیں کرتیں۔ میں تمہیں خوش نہیں رکھ سکوں گا۔"

"میرا مخمر صرف میری فیملی کی مرضی میں ہے خان! ہاں میں اپنے باپ کی خواہش پوری کرنا چاہتی ہوں لیکن میں آپ کو ناپسند نہیں کرتی ہوں۔ باقی رہا مجھے خوش رکھنے کا سوال تو یہ میرا نصیب ہے۔ نہ آپ کے بس میں ہے اور نہ میرے۔"

"اگر میں نے نکاح کر لیا تو تم عذاب میں آ جاؤ گی۔ تم نہیں جانتیں میں کیا کر جاؤں گا۔"

"سب سے زیادہ خاموش اور سفاک قاتل جو نس نس کاٹ کر ختم کرتا ہے وہ ہے محبت۔۔۔ جو آپ نے بھی کی اور مجھے بھی ہو گئی۔ آپ بھی مجبور ہیں اور میں بھی مگر۔۔۔ ذرا غور کریں تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ نکاح میں بندھ کر دراصل آپ آزاد ہو جائیں گے۔ اپنی مرضی کر سکیں گے۔ آپ مجھے اپنی راہ میں رکاوٹ نہیں پائیں گے۔"

وہ اپنے خاندان کی روایت کو جانتا تھا کہ ایک مرتبہ کسی لڑکی کا نام کسی مرد کے ساتھ لے لیا جائے تو وہ نام اس کی زندگی کا آخری نام ہوتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر سردار نے کوئی فیصلہ کر دیا تو وہ حرف آخر تھا۔ اگر اس نے زاہدہ کو نکاح کا تحفظ نہ دیا تو وہ کبھی بیاہی نہیں جائے

گی۔

"تایا جان مجھے سرداری کا لالچ دے رہے ہیں جبکہ میں ایسی کوئی تمنا نہیں رکھتا اور نہ ہی میں اس قابل ہوں۔ جو انسان اپنی ٹوٹی بکھری زندگی کو نہ سنوار سکے وہ دوسروں کے لیے کیسے بہتر ثابت ہو گا۔ زاہدہ۔۔۔ تم بہت پچھتاؤ گی مجھ سے شادی کر کے۔۔۔ میں تمہاری فیملی کے مردوں سے بہت مختلف ہوں اور۔۔۔ اور جب مجھے ثمرین مل جائے گی تو میں اس کے پاس چلا جاؤں گا۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے زاہدہ۔۔۔ میں تمہیں اس طرح قربان ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ پلیز۔۔۔ پلیز تم انکار کر دو زاہدہ پلیز!"

وہ سخت عاجز ہو رہا تھا۔ اس کے مقابل زاہدہ بہت مضبوطی سے بیٹھی ہوئی تھی۔

"اس تمام معاملے میں میری صرف ایک شرط ہو گی۔" زاہدہ نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔" رفیق نے درشتی سے کہا۔

"جانتی ہوں۔۔۔ اس کے باوجود۔"

"بولو۔" اس نے چبا چبا کر کہا۔

"نکاح کے بعد۔۔۔ حالات خواہ جیسے بھی ہوں۔۔۔ بابا جان آپ پر دباؤ ڈالیں یا چاچا جان۔۔۔ آپ مجھے ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔"

اسے ہر حال میں اپنے باپ کا شملہ اونچا رکھنا تھا۔ رفیق خان اسے غصے سے گھورنے لگا۔

☆ ☆ ☆

صابر خان لاؤنج میں کھڑے بری طرح دھاڑ رہے تھے۔ وہ سر جھکائے سب کچھ سن رہی تھی۔

"زاہدہ! تم جانتی ہو اگر دنیا میں اس کا کوئی دشمن ہے تو وہ میں ہوں اور تم نے میرے بچے اس کے حوالے کر دیے بغیر سوچے سمجھے۔ میں نے یہ پورا گھر اور سب کچھ تمہارے ہاتھ میں اس لیے دے رکھا ہے کہ تم یوں غیر ذمہ داری سے کام لو۔"

پھر ایک دم رک گئے اور زاہدہ کو دونوں کندھوں سے پکڑ لیا۔

"کہیں تمہارا دل تو اس کے لیے نہیں بدل گیا؟ کیا تم اس کے حق میں ہو گئی ہو؟"

یہ دو جملے زاہدہ کے لیے تازیانہ ثابت ہوئے۔ اس نے چچا کی طرف پہلی بار نظر اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بہت درد تھا۔ وہ زبان سے کچھ نہیں بول سکی۔ بس اپنے آپ کو صابر خان کی گرفت سے چھڑا کر تھکے تھکے قدموں سے اپنے کمرے میں جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ چچی جان نے لاؤنج میں قدم رکھتے ہی ماحول کا تناؤ محسوس کر لیا تھا۔

"تم کہاں تھیں؟ تمہارے پیچھے کیا ہو گیا ہے۔ پتا ہے تمہیں؟"

زرمینہ نے الجھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہوا ہے؟"

"آج تمہارا وہ سانپ میرے بچوں کو گھر سے باہر لے گیا تھا اور وہ بھی زاہدہ کی اجازت سے۔ کل ہی۔۔۔ کل ہی میں وکیل سے بات کر کے یہ ملاقات کا سلسلہ ہی ختم کروا دیتا ہوں تاکہ ٹینشن ہی نہ رہے اور میرے بچے محفوظ ہو جائیں۔" ان کی بات پر زرمینہ یکایک بھڑک اٹھیں۔

"وہ سانپ نہیں تمہارا خون ہے صابر خان! جو تم ہو وہ بھی وہی ہے۔ اگر تم ناگ نہ ہوتے تو وہ بھی سانپ نہ ہوتا۔ اور خبردار اگر میری بہو کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات سوچی بھی تو۔ تم لوگوں کی عزت کی خاطر زندگی تباہ کر لی میری بہو نے۔ تمہارے بگڑے بے کار بیٹے کو سدھارنے کے لیے قربانی دی۔ تمہاری عزت کی خاطر تمہارے ان بچوں کی خاطر وہ آج تک تمہارے گھر میں بیٹھی ہے اور تم اس پر شک کرتے ہو۔"

ان کی آواز اور بلند ہو گئی۔

زرمینہ غصے سے ہانپ رہی تھیں اور صابر خان دم بخود بیٹھے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"چچا جان! مجھے معاف کر دیں۔ آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔" وہ سر جھکائے ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ صابر خان نے آگے بڑھ کر بغیر کچھ کہے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور باہر کی طرف چل دیے۔ چچی جان ماتھے پر بل

ڈالے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔

"اے لڑکی! کس بات کی معافی مانگی ہے تو نے۔ کیا گناہ ہوا ہے میرے بیٹے سے کہ یہ پھر اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں؟"

"خان نے کچھ نہیں کیا چچی جان! بچوں نے ان سے ضد کی اور وہ مجھ سے اجازت لے کر ان کے ساتھ گھنٹہ بھر کے لیے گھومنے گئے تھے۔" زاہدہ نے آہستہ سے کہا۔

"تو اپنی یہ زبان سسر کے سامنے کیوں نہیں کھولی کہ بچوں نے ضد کی تھی۔ اگر میں تیرے بچوں کو برا بولوں تو تجھ پر کیا گزرے گی؟ جب دیکھو میرے سامنے میری اولاد کو برا کہتے ہیں۔"

چند لمحے رک کر کھڑی ہوئیں اور اس کے پاس آکر بولیں۔

"وہ اتنا برا ہے نہ اس نے اتنا برا کیا ہے تیرے ساتھ، جتنا تو اسے خاموش رہ کر برا رہی ہے۔ کیا نہیں ہے تیرے پاس۔ تحفظ ہے، بچے ہیں، دنیا کی ہر نعمت ہے۔ پورے خاندان کی سپورٹ ہے اور میرا بچہ اکیلا پڑا ہے۔ بیوی کا سکھ تو اس کے نصیب میں نہیں ہے۔ اور تو اب بچوں سے ملنے کا سکون بھی چھین لے گی۔ تیرا سسر کہہ گیا ہے مجھے کہ وکیل سے بات کر کے وہ اس ملاقات کو بھی ختم کروا دے گا۔ یاد رکھ! اگر ایسا ہوا تو جو میرے بیٹے سے سکون چھینے گا۔ اللہ اس سے بھی سکون چھین لے گا۔"

چچی جان کی بات سن کر وہ سکتے کے عالم میں انہیں دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ کبھی بیٹھ جاتی، کبھی بیڈ پر لیٹ جاتی اور کبھی کمرے میں ٹہلنے لگتی۔ کمرے سے باہر جانے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ وہ خود سے بھی شرمندہ تھی۔ کیوں اس نے خان کے سامنے اپنی پسند کا اعتراف کیا؟ اب کس منہ سے وہ ان کے سامنے کبھی جا سکے گی۔ کس طرح اس شخص سے نظریں ملائے گی، جس سے پسندیدگی کا اظہار اس نے خود اپنی زبان سے اس کے سامنے کیا اور اس شخص نے اس کے بھائیوں کے سامنے ٹھکرا دیا۔

کس طرح وہ تینوں بھائیوں کے سامنے جائے گی؟ جنہوں نے فردا" فردا" اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ خان کا خیال دل سے نکال دے، مگر اس نے یہی کہہ کر سب کو خاموش کر دیا کہ وہ بھی مجھے پسند کرتے ہیں۔ خود نکاح کا تقاضا کریں گے۔

وہ بیڈ پر بیٹھ کر گھٹنوں میں سر دے کر پھر رونے لگی۔ احساس شرمندگی اتنا شدید تھا کہ اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ رات آٹھ بجے اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔ سرور خان خود تھے۔ انہوں نے جب زاہدہ کی آنکھیں دیکھیں تو اپنی آنکھیں بند کر لیں اور لمبا سانس لے کر بولے۔

"چلو کھانا کھا لو۔ سب انتظار کر رہے ہیں۔"

ڈائننگ ہال میں میز کے گرد اس کے تینوں بھائی بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔

زاہدہ نے قدم بڑھائے اور باپ کے برابر والی کرسی پر آ بیٹھی۔ تینوں بھائی اسی کو دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں احتشام نے زاہدہ کو کھانا پلیٹ میں نکال کر دیا۔ تیمور نے ہاٹ پاٹ آگے بڑھایا۔ تنویر نے اسے گلاس بھر کر پانی بڑھایا۔ وہ تینوں کی طرف دیکھ کر پھر رونے لگی۔ احتشام نے اسے گلے لگا لیا۔

"بس کر اب۔ میں رویا تو تیرے یہ دونوں لاڈلے بھائی ساری عمر میرا مذاق اڑاتے رہیں گے کہ لالہ روتے ہوئے ایسے لگ رہے تھے، ویسے لگ رہے تھے۔" احتشام نے اسے ہنسانے کی غرض سے کہا پھر آنسو پونچھتے ہوئے کہنے لگے۔

"مبارک ہو تجھے۔ اسی بے وقوف آدمی کو تیرے لیے پسند کر لیا ہے ہم سب نے۔"

"اب تو رونا بند کر اور مسکرا دے۔" تیمور نے بھی کہا۔ اتنے میں امبر بولی۔

"بابا جان! اب آپ بھی جلدی سے مبارک باد دے دیجئے تاکہ کھانا کھانے کو ملے۔" اس کی بات پر

سب ہنس دیے۔

سرور خان نے زاہدہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور نوالہ بنا کر اس کے منہ میں ڈالا۔ سب خاموشی سے کھانا کھانے لگے تھوڑی دیر بعد بابا جان نے کہنا شروع کیا۔

"دیکھو بچو! سب حالات تمہارے سامنے ہیں۔ میں خاندان کا اور قبیلے کا بھی بڑا ہوں۔ اور بڑا کوئی ایسے ہی نہیں بن جاتا۔ اپنی پوزیشن پر رہنے کے لیے بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ مگر میرا اللہ مجھ پر ہمیشہ مہربان رہا ہے۔ مجھے کبھی امتحان میں نہیں ڈالا۔

آج بھی جو میں نے فیصلہ کیا ہے۔ وہ میری بیٹی یا میرے گھر کے لیے نہیں پورے خاندان اور قبیلے کے لوگوں کے لیے کیا ہے۔ میں نے کبھی تم بچوں کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کیا یا ایسے کہو کہ کبھی تم نے میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کیا۔ یہ بھی میری خوش نصیبی ہے اور مجھ پر اللہ کا کرم ہے۔" وہ چند لمحے ٹھہرے پھر بولے۔ "میرا بھائی اس سکھ سے محروم ہے بچے غلطی کرتے ہیں۔ اس کے بچے سے بھی ہوئی۔ ہمیں اس غلطی کو نظر انداز کرنا ہی پڑے گا۔ چاہے وہ جیسا بھی ہے، ہمارے خاندان سے ہے۔ میں نے صرف فیصلہ کر کے اپنا فرض ختم نہیں کر دیا ہے۔ میں تم تینوں سے بھی یہ وعدہ چاہتا ہوں کہ میں رہوں یا نہ رہوں تم تینوں ہمیشہ کی طرح جب بھی اسے مشکل پیش آئے اس کے پاس موجود ہونا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ہاتھ بڑھایا۔ سب سے پہلے تنویر نے باپ کا ہاتھ تھام لیا پھر احتشام اور تیمور نے بھی باپ کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر سرور خان زاہدہ سے مخاطب ہوئے۔

"زاہدہ! میں نے اس مہینے کی گیارہ تاریخ کو تمہارا نکاح خان رفیق خان سے طے کر دیا ہے۔ شادی بہت سادگی سے ہوگی۔ عصر اور مغرب کے درمیان نکاح ہو گا۔ آٹھ بجے کھانے کے بعد رخصتی۔ صابر نے رخصتی کے دو دن بعد ولیمہ رکھا ہے۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔" زاہدہ نے کوئی جواب نہیں دیا تو سرور خان اپنے بیٹوں کی طرح متوجہ ہوئے۔

"کیونکہ بلاول خان کے لیے انکار ہوا ہے۔ اس لیے تمہاری پھوپھی مجھ سے ناراض ہے۔ اسے منانے کے لیے میں کل پشاور جا رہا ہوں اور دن کم ہیں اس لیے انہیں ساتھ لے آؤں گا اور اگر کسی نے کچھ پوچھنا ہے میرے آنے کے بعد ہم بات کر سکتے ہیں۔"

بات ختم ہوتے ہی تینوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆ ☆ ☆

"تمہارے نانا مر گئے رفیق خان کو یاد کرتے کرتے مگر وہ نہیں آیا۔ تمہارے دادا اسے اپنے بھائی کی موت کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔" ان کی آواز جیسے بہت دور سے آ رہی تھی۔

"رفیق تمہارے دادا جان کی وجہ سے ہی ہم سب سے، تمہاری ماں سے دور ہے۔ جب وہ گھر چھوڑ کر جا رہا تھا تمہاری ماں کی اجازت سے ـــ اس وقت تمہارے دادا نے کہا، تمہاری ماں کو طلاق دے دے مگر تمہارا باپ نہیں مانا ـــ تب تمہارے دادا نے طیش میں آ کر کہہ دیا کہ جب تک وہ زندہ ہیں، رفیق خان اس خاندان سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا اور زاہدہ کبھی اسے اپنا نہیں سکتی۔"

"تو یہ دادا جان کی شرط ہے، جس کی وجہ سے ہماری ماما کبھی بھی بابا جان کا ذکر تک اپنی زبان پر نہیں لاتیں۔ اف! میرے خدا۔" عبدالرحمن نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"ہماری ماں پر اتنا بڑا ظلم کیسے کر سکتے ہیں دادا جان ہماری ماں نے دادا جان کے لیے، اس خاندان کے لیے، قبیلے کے لیے اتنی بڑی قربانی دی ـــ اپنے آپ کو خوشیوں سے ہی دور کر لیا ـــ دادی جان! یہ تو ظلم ہے ہماری ماں پر ـــ سراسر ظلم ہے ـــ" بشامہ رو پڑی۔

"اس وقت ان کے بیٹے نے جو کیا اس کی وجہ سے وہ بھائی کے سامنے شرمندہ تھے۔ اس لیے انہوں نے یہ شرط رکھی ہوگی، مگر اب حالات بدل گئے ہیں۔ آج سب کچھ بالکل الگ ہے۔ آج وہ ضرور اپنا فیصلہ بدل لیں گے۔ مجھے اللہ پر پکا یقین ہے۔" عبداللہ نے کہا۔

زرمینہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ان کے بچے وقت سے پہلے بڑے ہوگئے تھے۔

☆ ☆ ☆

آج چاند کی گیارہ تاریخ تھی۔ ربیع الاول کا مبارک مہینہ اور رفیق اور زاہدہ کے نکاح کا دن۔ پورا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ پچھلے پانچ دنوں سے گھر میں بہت رونق تھی۔ اگر کہیں اداسی تھی تو وہ زاہدہ کے دل میں۔ ایک ڈر تھا' ایک خوف' جو اسے کھائے جا رہا تھا۔

دولہا اور دلہن کا جوڑا روایتی ہوا کرتا تھا ان کے خاندان میں۔ دولہا سر پر پگڑی' سفید قمیص اور بڑے گھیر والی شلوار اور کالی واسکٹ پہنتا تھا۔ پیر میں پشاوری کالی چپل اور ریشمی سفید رومال۔

جبکہ دلہن ایک ساتھ تین جوڑے پہنتی تھی۔ سب سے نیچے سفید شلوار قمیص جو کہ کفن مانا جاتا تھا۔ اس کے اوپر لال کاٹن کا شلوار قمیص اور پھر اس کے اوپر ان کی ست رنگی پشواز۔ اسی طرح تین چادریں سفید' لال اور پھر اوپر پشواز کی چادر ملا کر پہنائی جاتی تھیں۔ پیروں میں چاندی کے تاروں سے بنے ہوئے کڑھے ہوئے سرخ جوتے جو کھسہ کی طرح ہوتے تھے۔ تمام زیور چاندی کا پہنایا جاتا تھا جو بالوں کے کلپ سے لے کر پیروں کی پازیب تک ہوتا تھا۔

ظہر کی نماز کے بعد کھانا کھایا گیا۔ پھر پھوپھی جان نے جنہیں سرور خان پشاور جا کر خود منا کر لائے تھے۔ وہ بلاول خان کو انکار کر دینے پر ناراض تھیں' بھابیوں اور بیٹیوں کی مدد سے اس کے ہاتھوں پیروں میں مٹھی والی مہندی لگائی۔ سات دن تک روزانہ مہندی لگائی گئی۔ آخری مہندی پھوپھی نے اکیلے خود لگائی۔ اس کی مہندی کا تیز اور گہرا رنگ دیکھ کر پھوپھی نے کہا۔

"جس کے ہاتھوں میں مہندی کا رنگ گہرا آئے' وہ بہت پیارا ہوتا ہے اپنے سردار کو۔" زاہدہ ان کی بات سن کر مسکرا دی۔ سردار تو دلہن ہی نہیں چاہتے۔ اس نے افسردگی سے سوچا۔

مہندی سوکھنے کے بعد اسے بھابھیوں نے نہلایا۔ یہ خاص رسم تھی۔ جس کے مطابق شادی شدہ بہن یا بھابھی یا کوئی بھی خاندان کی قریبی رشتہ دار دلہن کو لمبا سا کرتا پہنا کر نہلاتی تھی۔ نہانے کے پانی کو خاص جڑی بوٹیاں ڈال کر ابالا جاتا' پھر ٹھنڈا کر کے اس میں دودھ ڈالتے پھر اس خوشبودار پانی سے دلہن کو نہلاتے تھے۔

نہانے کے بعد گھر کی بڑی عورت قرآن پاک کی تلاوت کرواتی تھی پھر دلہن کو سفید جوڑا پہنایا جاتا تھا۔ اس جوڑے میں ہی دلہن بڑی چادر لپیٹ کر سب گھر والوں کے درمیان ایسے بیٹھتی کہ اس کا چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔ پھر تمام گھر والے بشمول ماں' باپ' بہن بھائی اور قریبی سہیلیاں اور رشتہ دار لڑکی سے مل لیتے اور جس نے رونا ہوتا رو لیتا۔ یہ رسم ہمیشہ سے زاہدہ کو عجیب لگتی تھی۔ مگر آج وہ خود سب کے درمیان بابا کے کمرے میں موجود تھی۔ "فردا" فردا" بابا جان اور بھائیوں نے اسے گلے لگایا۔ امبر خوب رو رہی تھی۔

سب سے ملنے کے بعد اسے ڈرائنگ روم میں زمین پر مخملی گدے اور گاؤ تکیوں کے درمیان بٹھایا گیا۔ اس کے بعد اسے بھابھی نے لال جوڑا پہنایا۔ پھر پشواز پہنانے کے لیے چچی جان اور پھوپھی جان آئیں۔ وہ اس تمام وقت روتی ہی رہی۔ کپڑے پہننے کے بعد تینوں بھائیوں کو بلایا گیا۔ تنویر اور تیمور نے اس کے سر پر دونوں کانوں کی طرف سے تین تین چوٹیاں بنائیں اور دونوں طرف کی تینوں چوٹیوں کو ملا کر پیچھے کی طرف ساتویں چوٹی میں گوندھ دیا۔ پھر احتشام نے اسے سرمہ لگایا اور بھائیوں نے ایک ایک کر کے اسے زیور پہنائے۔ زیور میں سر اور چوٹی پر لگنے والے چاندی کے کلپ' مانگ پٹی جس میں تین ٹیکے تھے۔ جھومر' کانوں کے جھمکے جن کے سہارے پیچھے چوٹی میں ٹانک دیے گئے۔ گلے میں پہلے گلوبند پھر سات لڑیوں والا بڑا سا ہار' بازو بند' چوڑیاں' کڑے' ہاتھوں کے پنجے' پنیوان یعنی ناک کی لونگ اور پازیب شامل تھی۔ یہ سب زیور بغیر کسی موتی یا ہیرے کے سادہ زیور ہوتا تھا۔ مصری چاندی کا بنا ہوا' جو کبھی کالا نہیں ہوتا تھا۔

بابا جان نے اسے تین چادریں ملا کر سر پر اوڑھائیں اور سر پر ہاتھ رکھ کر پیار کیا۔

عصر کے بعد نکاح ہوگیا۔ نکاح کے بعد دولہا کو دلہن کے ساتھ بٹھانے کی رسم ہوتی تھی' جو نہیں کی گئی۔ کیونکہ نکاح کے "فوراً" بعد رفیق خان بغیر کسی سے کچھ کہے اٹھ کر چلا گیا۔

دس بجے ڈرائنگ روم میں ڈولی لائی گئی جس میں بھائیوں نے اسے بٹھایا پھر ڈولی کو کندھا دے کر گاڑی تک لے جایا گیا۔ گاڑی میں بابا جان نے بٹھایا۔ پھر رفیق کو گلے لگا کر اس کا ماتھا چوما اور اسے گاڑی میں بٹھا دیا۔ سارا علاقہ فائرنگ سے گونج رہا تھا۔

صابر خان کے گھر لاؤنج میں بیٹھے ابھی تقریباً" گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ ہوا تھا کہ رفیق خان لاؤنج میں داخل ہوا۔ ساری کزنز شگن کے لیے اس کی طرف بڑھیں۔ مگر رفیق کی سرد مہری اور سنجیدگی سے ڈر کر کوئی لڑکی سامنے نہیں گئی۔ وہ سیدھا زاہدہ کی طرف بڑھا اور اس کا ہاتھ تھام کر اس سے کہا "چلو۔"

زاہدہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ چچی جان نے روکنے کی کوشش کی مگر وہ اسے تمام خواتین کے بیچ میں سے اٹھا کر لے گیا۔ لاؤنج میں صابر خان' زرمینہ اور سب حیرانی سے انہیں دیکھنے لگے۔ مگر رفیق خان نے کسی کی پروا نہیں کی۔

کمرے میں لا کر اس کا ہاتھ چھوڑا اور اسٹڈی کی طرف بڑھ گیا۔ وہ وہیں دروازے کے پاس حیران کھڑی رہی۔ کچھ دیر بعد وہ واپس نکلا۔ اس نے کپڑے بدل لیے تھے۔ اس نے آستین کے بٹن لگائے پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بال سنوارے اور اس کے قریب آکر بولا۔

"تم جہاں چاہو سو جاؤ' مجھے دیر ہو جائے گی۔" اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف مڑا۔

"میری اجازت کے بغیر تم کبھی کمرے سے باہر مت جانا۔" اور پھر بغیر رکے کمرے سے نکل کر چلا گیا۔

وہ حیرانی سے کمرے کو دیکھتی رہی۔ وہ کسی طرح حجلہ عروسی نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے آنے کی کوئی تیاری نہیں کی گئی تھی اور نہ ہی سیج وغیرہ یا پھولوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔

سارا دن اتنی گہما گہمی تھی کہ وہ تھک چکی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور پھر پتا نہیں کب سو گئی۔

☆ ☆ ☆

"سرپرائز!"

عبدالرحمن اور عبداللہ زور سے چلائے اور جب وہ اچھل کر سامنے سے ہٹے تو رفیق خان ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کے بچوں نے اسی کی ماں کو ان کی دہلیز پر کھڑا کر دیا ہے۔

زرمینہ بانہیں پھیلائے کھڑی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ "فوراً" آگے بڑھا اور ماں کی بانہوں میں سما گیا۔ دونوں ماں بیٹا رو رہے تھے۔ رفیق خان ماں سے معافی مانگ رہا تھا۔ زرمینہ بے اختیار اس کا ماتھا چوم رہی تھیں۔ رفیق خان نے نیچے جھک کے ماں کے پیر پکڑ لیے۔ بچوں کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ آج کوئی بات نہیں رہ گئی تھی سمجھانے کے لیے۔ اب بس کچھ غلطیوں کا ملال تھا۔ شرمندگی تھی۔ ماں کی گود میں سر رکھ کر بہت سکون مل رہا تھا اسے۔

بچے خاموشی سے بیٹھے باپ اور دادی کو دیکھ رہے تھے۔

"تھینکس بچو! تم لوگ میری ماں کو لائے میرے لیے ایک بہت بڑا تحفہ ہے۔ تم نہیں جانتے کیا کام کیا ہے تم لوگوں نے۔"

"مگر ہمیں تو نقصان ہوا آپ کی ماں کو یہاں لانے کا۔" عبدالرحمن نے منہ بگاڑ کر "آپ کی" پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"کیا نقصان ہوا۔ مجھے بتاؤ؟" رفیق مسکرایا۔

"جس طرح ہم آپ کی ماں کو لے کر آئے' آپ

بھی ہماری ماں کو لے آئیں اپنے پاس۔"

"ماں! کیا وہ مجھ سے بات کرے گی؟" رفیق نے مڑ کر ماں سے پوچھا۔

"کوشش سے کیا نہیں ہو سکتا۔"

"میں فون کروں گا تمہاری ماں کو۔ کوشش کروں گا کہ وہ میری بات سنے اور مجھ سے بات کرے۔" تینوں بچوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔

"رفیق! وہ تیری بیوی ہے، تیرے بچوں کی ماں ہے۔ تیرا حق ہے اس پر۔ تو گھر آئے تو آواز دے کر بلا سکتا ہے۔ میں دیکھتی ہوں کون روکتا ہے تجھے بات کرنے سے۔" زرمینہ نے کہا۔

"ماں! بات میری نہیں، زاہدہ کی ہے۔ وہ کبھی بابا جان کے خلاف نہیں جائے گی نہیں جانتا ہوں۔ اگر میں سامنے جا کر منت بھی کروں گا تو وہ میری طرف نہ نظر اٹھا کر دیکھے گی اور نہ میری کسی بات کا جواب دے گی۔ میں اسے جانتا ہوں۔"

اس کی بات پر سب جیسے سوچ میں گم ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

اس کی آنکھ کھلی تو کمرے کی تمام لائٹیں اسی طرح کھلی ہوئی تھیں اور وہ صوفے پر گٹھڑی بنی ہوئی تھی۔ اس نے گردن گھما کر بیڈ کی طرف دیکھا بیڈ خالی تھا۔ وہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

زاہدہ نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ وہ صوفے سے اٹھی ڈریسنگ کے پاس آ کر اس نے آہستہ آہستہ تمام زیورات اتار کر رکھ دیے، پھر پشواز اور اس کے نیچے کا سرخ جوڑا بھی اتار دیا۔ اب وہ سفید جوڑے میں ملبوس تھی۔ اس نے سفید چادر سر پر اوڑھ لی۔ وضو کیا، دو رکعت نفل پڑھی اور دوبارہ صوفے پر لیٹ گئی۔

سات بجے چچی جان کی آواز آئی۔ وہ اٹھ ہی رہی تھی کہ اسٹڈی کا دروازہ کھلا اور رفیق دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"تم ساری رات صوفے پر سوئی رہیں۔ پلنگ پر لیٹ جاتیں۔" چچی جان نے کہا۔ زاہدہ نے نظریں جھکا لیں۔ اور کوئی جواب نہیں دیا۔

"اب یہ سفید کپڑے نہ پہننا۔ یہ کفن ہے۔" زاہدہ نے تابعداری سے اثبات میں سر ہلا دیا اور کپڑے اٹھا کر باتھ روم کی طرف چل دی۔ وہ اسے تیار کر کے نیچے لے جانے لگیں تو زاہدہ رک گئی۔

"خان کو بتا دوں چچی جان!" زرمینہ مسکرائیں اور نیچے چلی گئیں۔

اس نے اسٹڈی میں جھانکا۔ وہ سامنے آرام کرسی پر بیٹھا تھا۔

"میں نیچے جاؤں؟" اس نے لڑکھڑاتی آواز میں پوچھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک رفیق خان کے جواب کی منتظر رہی پھر اسٹڈی سے نکل گئی۔

زاہدہ نے دوسری رات بھی صوفے پر گزاری مگر پہلی رات کی نسبت آج اس نے شب خوابی کا لباس پہن رکھا تھا اور تکیہ بھی لے لیا تھا۔

ولیمہ میں اس کے لیے گلابی رنگ کا شرارہ تھا۔ پورا کام سے بھرا ہوا اور زیورات کی تو چچی جان نے حد کر دی تھی۔ وہ سات سیٹ نکال کر بیٹھی تھیں اور سب اسے پہنانا چاہتی تھیں۔ میرج لان بہت بڑا تھا پھر بھی مہمانوں کے لیے جگہ تنگ پڑ گئی۔ صابر خان نے تو دھوم شہر بلوایا ہوا تھا۔

"آپ کیا سوچ رہیں ہیں بھابھی!" رات ڈھلنے لگی تھی جب رمیض خان اس کے ساتھ آ کر بیٹھا اور آہستہ سے پوچھنے لگا۔ زاہدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"جو لوگ انوائیٹڈ نہیں تھے وہ نہیں آئے۔ یہ ولیمہ صرف آپ کا تھا۔ جس کا آپ انتظار کر رہی ہیں۔ ان کو بلایا ہی نہیں گیا۔"

زاہدہ نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ وضاحت کیے بغیر اٹھ کر چلا گیا۔ زاہدہ نے بڑی مشکلوں سے خود کو رونے سے روکا۔

☼ ☼ ☼

تین مرتبہ ہیلو ہیلو کہہ کر زاہدہ نے فون رکھ دیا۔ اس

کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ شاید وہ رو رہی تھی۔

اس نے پھر نمبر ملایا۔ دوسری بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔ مگر کوئی کچھ نہیں بولا۔ رفیق نے ہمت کر کے کہا۔

"زاہدہ! میں۔۔۔ بول رہا ہوں۔ تم سن رہی ہو۔"

دوسری طرف سے جواب تو نہیں آیا مگر سسکی سنائی دی۔ رفیق بے چین ہو گیا۔ "مجھے معاف کر دو زاہدہ! میں تمہارا گنہگار ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔"

مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ بس سسکیاں سنائی دے رہی تھیں پھر فون بند کر دیا گیا۔ رفیق نے آنکھیں بند کر لیں۔

اس کا دل بھر آیا۔ وہ خوب رویا۔ یہ شرمندگی اور ندامت کے آنسو تھے۔ اس مہینے ہونے والی ملاقات میں جانے کی اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی مگر وہ جانتا تھا کہ زاہدہ ماں اور بچے اس کا انتظار کرتے ہیں۔ اس لیے وہ چلا گیا۔ بچے اور ماں بہت خوشی سے ملے۔ سب کچھ ٹھیک تھا مگر جب کھانا لگا تو اسے پتا چل گیا کہ کھانا زاہدہ نے نہیں بنایا۔ دو تین لقمے لے کر وہ اٹھ گیا زرمینہ بھانپ گئیں۔

"زاہدہ کی طبیعت خراب تھی۔"

وہ خاموش رہا۔

☼ ☼ ☼

تین مہینے ہو گئے تھے ان کی شادی کو، کھانا رفیق اس کے ساتھ کھاتا لیکن بات کرتا نہ اس سے اپنا کوئی کام کہتا۔ وہ صوفہ پر اور رفیق اسٹڈی میں رات گزارتا۔ زاہدہ نے شکایت نہیں کی بلکہ شکر کرتی کہ وہ ساتھ بیٹھ کر کم از کم کھانا کھا لیتا تھا۔

اس دن اسے فلو ہو رہا تھا۔ زاہدہ نے ٹیبلٹ دینے کی کوشش کی مگر اس نے نہیں لی اور آفس چلا گیا۔

رات کو لوٹا تو حالت زیادہ خراب تھی۔ وہ سوائے خاموش رہنے کے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

عشا کی نماز کے بعد وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔ کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ رفیق کے چھینکنے اور کھانسنے کی آوازیں تسلسل سے آنے لگیں۔ وہ بے چین ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ کافی صبر کیا مگر جب برداشت سے باہر ہو گیا تو اسٹڈی میں داخل ہو گئی۔ رفیق صوفے پر بغیر تکیہ اور چادر لیٹا تھا۔ ہمت کر کے آگے بڑھی۔ ماتھے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اس نے جھٹکے سے دور کر دیا۔ رفیق کو بہت تیز بخار تھا۔

رفیق نے اسے باہر نکلنے کا اشارہ بھی کیا مگر وہ وہاں سے نہیں ہلی۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ ہمت کر کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ رفیق نے پھر آنکھیں کھولیں۔

"ضد نہ کریں خان! پلیز۔" رفیق نے کوئی جواب نہ دیا مگر اٹھ بیٹھا۔ وہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر بیڈ پر لے گئی۔ اسے آرام سے لٹایا اور اپنا کمبل ڈال دیا۔ ٹیبلٹ دی۔ کافی بنا کر لائی۔ ہیٹر آن کر دیا۔ صبح تک طبیعت بہتر تھی مگر مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ وہ آفس بھی نہیں گیا۔ دو تین دن تک اس نے اسی طرح اس کا خیال رکھا۔ چوتھے روز بخار اور فلو میں کافی حد تک کمی تھی۔ بس کھانسی تھی ہلکی ہلکی۔ اس دن جب وہ کھانا کھانے کے بعد برتن رکھ کر اس کے لیے قہوہ بنا کر اوپر آئی تو اس نے دیکھا۔ اس کا کمبل اور تکیہ بیڈ پر رکھا ہوا تھا۔ وہ اس خاموش حکم کو سمجھ گئی۔ کچھ دن یوں ہی گزرے۔ وہ آفس جانے لگا تھا۔

اس رات سردی بہت تھی۔ زاہدہ سو ہی نہیں پا رہی تھی۔ بار بار آنکھ کھل جاتی۔ وہ کانپ رہی تھی۔ پتا نہیں رات کا کون سا پہر تھا۔ جب اس نے رفیق کو اپنے قریب محسوس کیا۔ وہ جاگ گئی تھی۔ گھبرائی مگر خاموش رہی۔

وہ خوش تھی کہ رفیق خود فاصلے ختم کر کے اس کے قریب آ گیا ہے۔

صبح اذان کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا وہ بے خبر سو رہا تھا۔ غسل کے بعد نماز اور پھر شکرانے کے نفل پڑھ کر اس نے خوب دعائیں کیں۔

☼ ☼ ☼

"زاہدہ۔ مجھے گھر آنا ہے۔ میری مدد کرو۔"

یہ دو مختصر سے جملے ایک ایک لفظ توڑ کر ادا کیے گئے تھے۔ زاہدہ ساکت سی اسے دیکھ رہی تھی۔ آج بچوں کی پلاننگ سے انہیں ایک دوسرے سے بات کرنے کا موقع ملا تھا۔

"زاہدہ! تم جانتی ہو ثمرین اب میرے ساتھ نہیں ہے۔ میں اسے چھوڑ چکا ہوں۔ میں تمہیں چھوڑ کر اس کے پاس گیا' یہ میری غلطی تھی۔ میں نے تم پر بہت ظلم کیا ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں مگر شکر ہے مرنے سے پہلے مجھے اللہ نے موقع دیا ہے کہ میں اپنی غلطیوں کی معافی مانگ لوں اور ازالہ کر سکوں' جو نقصان میں نے تمہیں پہنچایا ہے۔ تمہاری زندگی کے گزرے سال تو میں واپس نہیں دے سکتا مگر تمہیں آئندہ سالوں میں ہر خوشی دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ بس تم مجھے معاف کر دو۔"

اس کی آواز بہت بھاری ہو رہی تھی۔

"میرے لیے نہیں تو اپنے بچوں کے لیے سہی۔ وہ ہمیں ایک ساتھ دیکھنا چاہتے ہیں۔" چند لمحے ٹھہر کر اس نے سر اٹھایا۔

"میں تمہیں ڈرانے دھمکانے یا تم پر زبردستی کرنے نہیں آیا۔ بس ایک درخواست لے کر آیا ہوں۔ تم نے کبھی میری بات رد نہیں کی ہے۔ مجھے معاف کر دو زاہدہ!"

رفیق کے چہرے پر اداسی تھی۔ مگر آنکھوں میں امید اور یہ وہ آنکھیں تھیں' جنہوں نے اس کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔ ان آنکھوں کی کوئی التجا وہ کبھی ٹھکرا نہیں سکی تھی۔

"اگر تم مجھے معاف کرنا چاہو۔۔۔ اگر تم چاہو کہ میں اس گھر میں واپس آجاؤں تو مجھے فون کر دینا رات کو اگر نہیں تو میں تمہیں آئندہ تنگ نہیں کروں گا۔"

رفیق خان نے کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا واپس چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

کچھ دنوں سے اس کی طبیعت عجیب سی ہو رہی تھی۔ بہت زیادہ نیند آتی تھی۔ سست رہنے لگی تھی۔ کبھی کبھی بخار بھی محسوس ہوتا تھا۔ چچی جان اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئیں۔ اس نے چچی جان کو زاہدہ کے امید سے ہونے کی خوشخبری دی۔

آنے والے دنوں میں اس نے رفیق کے انداز میں بہت نرمی دیکھی۔ بلکہ اس نے خوشی محسوس کی کہ وہ اس کا تھوڑا بہت خیال کرنے لگا ہے۔ بات بھی نرم سے کرتا ہے۔ ایسے ہی ہلکے پھلکے موڈ میں وہ چائے پیتے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ رفیق نے کہا۔

"میں کام کو پھیلانا چاہتا ہوں۔ میرے ملک سے باہر بہت تعلقات ہیں۔ میں یو کے کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی ایکسپورٹ کا کام شروع کرنا چاہتا ہوں مگر۔۔۔ میں ملک سے باہر نہیں جا سکتا۔ کیونکہ تمہارے سسر نے میرا پاسپورٹ اور تمام چیزیں اپنے پاس رکھی ہیں۔ اور میں ان سے مانگنے اور ہاتھ پھیلانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔" بات پوری کر کے وہ خاموش ہو گیا۔

زاہدہ نے اپنے بابا سے کہا کہ وہ چاچا جان سے بات کریں۔ دوسرے دن صابر خان نے اسے اپنے کمرے میں بلا لیا۔

"تم نے اپنے باپ سے کچھ کہا تھا؟"

"جی چاچا جان! میں چاہتی ہوں خان ایکسپورٹ کو بڑھائیں۔"

"کیا اس نے تم سے کہا ہے یہ سب؟" صابر خان نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ زاہدہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں وہ اس بارے میں نہیں جانتے۔ میں چاہتی ہوں' آپ ان پر پھر سے بھروسا کریں۔ اب ایسا کچھ بھی نہیں ہو گا میرا یقین کریں۔"

"زاہدہ! میرا دل اب بھی خطرہ محسوس کر رہا ہے اس سے۔ بس ایک بات کہنا چاہتا ہوں بیٹی! یہ پاسپورٹ نہیں' اس دروازے کی چابی ہے۔ جو میں نے اپنے بیٹے اور اس بدذات عورت کے درمیان بند کر دیا تھا۔" صابر خان کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"میں بتا دوں' وہ باہر ایکسپورٹ کرنے نہیں اس میراثن کو ڈھونڈنے جانا چاہتا ہے۔ اگر میں نے ایسی کوئی بھی بات دیکھی تو یاد رکھنا! میں اسے عاق کر دوں گا میں صرف اور صرف تمہاری بات رکھ رہا ہوں ورنہ اب وہ میری نظر میں قابل اعتبار نہیں ہے۔"

صابر خان نے اسے ایک لفافہ تھماتے ہوئے کہا۔ زاہدہ نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کمرے سے نکل آئی۔

رات کو اس نے دراز میں سے لفافہ نکال کر خان کو پکڑا دیا۔

"تم نے بابا جان سے سفارش کی تھی؟"

زاہدہ نے کہا "نہیں۔ میں نے اپنے بابا جان کو ان کا وعدہ یاد دلایا تھا کہ نکاح کے بعد آپ ان سے کیے ہوئے قول سے آزاد ہیں اور آزاد آدمی کو تمام اختیارات ہونے چاہئیں۔"

وہ اس کی طرف حیرانی سے دیکھنے لگا۔

"خان! آپ خوش ہیں؟"

اس کی بات کے جواب میں صرف یہ کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"شکریہ زاہدہ۔"

☼ ☼ ☼

زاہدہ کے گھر پہلی بیٹی پیدا ہوئی' جس کا نام سرور خان نے بشارہ رکھا۔ صابر خان بھی بہت خوش تھے۔ زاہدہ کی وجہ سے ان کی برسوں کی خواہش پوری ہو گئی۔ وہ بیٹی چاہتے تھے' انہیں مل گئی۔

بی کی پیدائش کے وقت رفیق خان سنگاپور میں تھا۔ مگر جیسے ہی اسے خبر ملی' پہلی فلائٹ سے واپس آگیا۔ بیٹی کو گود میں لے کر بہت خوش ہوا۔ زاہدہ نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا۔ وہ جب بھی گھر میں ہوتا' بیٹی سے باتیں کرتا اس کے ساتھ کھیلتا۔ اس کے لیے چیزیں لاتا۔ سب یہ دیکھ کر خوش تھے۔

رفیق نے ایکسپورٹ کے دائرے کو پھیلانا شروع کیا تو پھر رکنے کا نام ہی نہ لیا۔ صابر خان کو دو کارخانے اور ایک فیکٹری مزید کھولنی پڑی۔ وہ اب مطمئن تھے۔ ابھی بھی صابر خان اس سے بات چیت نہیں کرتے تھے۔ ان میں رابطے کا کام رمیض اور احتشام کرتے تھے۔

چھ مہینے گزر گئے۔ تیمور خان کی شادی اس کی کولیگ سے طے ہو گئی اور تیاریاں شروع ہو گئیں اور تیاریوں کے درمیان ہی زاہدہ کو معلوم ہوا کہ وہ پھر امید سے ہے۔ شادی کی تیاریوں کے باوجود سب اس کا بہت خیال رکھتے تھے خاص طور پر چچی جان اور سرور خان اس کی دیکھ بھال میں کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔

ایک دن زاہدہ نے ڈرتے ڈرتے اس سے اپنی خواہش ظاہر کی "میں چاہتی ہوں آپ شادی میں شرکت کریں۔ مجھے اچھا لگے گا۔"

اس نے نہ اقرار کیا اور نہ ہی انکار مگر وہ شادی میں شریک ہوا۔ اس کی شرکت سے سب خوش تھے۔ یہ برسوں بعد فیملی کے ساتھ پہلا موقع تھا جس میں وہ شریک ہوا تھا۔ مگر اس کے بعد وہ قیامت آگئی جس کا صابر خان کو شروع سے خدشہ تھا۔

☼ ☼ ☼

زاہدہ سوچ سوچ کر خوف زدہ ہو رہی تھی کہ خان کے آنے اور اس طرح ملنے کا اگر چچا جان کو پتا چل گیا تو وہ کیا سوچیں گے' کیا کریں گے؟

وہ اپنا برسوں کا بھروسا اور اعتبار کھو دے گی۔ ایک دم اسے لگا جیسے وہ بہت اکیلی ہے۔ اب تو اس کے سرور بابا بھی نہیں تھے۔ اس دنیا میں اس کی مدد کرنے کے لیے

وہ کمرے میں ٹہلتی رہی۔ اس نے اپنا فون آف کر دیا تاکہ رفیق اسے فون نہ کر سکے۔

ساری رات وہ جاگتی رہی۔ بہت سوچ بچار کے بعد

اس نے احتشام لالہ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

☼ ☼ ☼

شام کو چار بجے سے پہلے احتشام آگئے۔ زاہدہ منتظر تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ ہونے والے تمام واقعات کے بارے میں بتادیا۔ بات ختم کرکے وہ رونے لگی۔ بھائی نے آگے بڑھ کر اسے دلاسا دیا۔ ابھی وہ بات کر ہی رہے تھے کہ دروازہ کھلا اور رفیق خان تینوں بچوں کو لے کر اندر داخل ہوا۔

زاہدہ اور احتشام، رفیق خان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ زاہدہ نے جب بچوں کو رفیق خان کے ساتھ دیکھا تو ناراضی سے منہ پھیر لیا۔

"تم لوگوں نے جو کیا، جانتے ہو اس کا نتیجہ تمہاری ماں کی موت بھی نکل سکتا تھا؟" احتشام نے بچوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "خیر تم لوگ جاؤ۔ میں بات کر رہا ہوں۔" بچے باہر نکل گئے۔

زاہدہ کو بچوں پر سخت غصہ آرہا تھا کہ وہ اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ انہیں ماں کی پروا نہیں ہے۔

اسی وقت رمیض اور امبر بھی آگئے۔ تب احتشام نے تحمل سے بات شروع کی۔

"رفیق! اب تم کیا چاہتے ہو؟ آج تک جو تم نے چاہا، وہ سب تم نے پایا ہے۔ اب کیا رہ گیا ہے ہمارے پاس، جو تمہیں چاہیے؟" رفیق نے کوئی جواب نہ دیا۔

"لالہ! بچے چاہتے ہیں کہ خان اب ان کے ساتھ رہیں اور ان کی یہ خواہش اپنی ماں کے لیے ہے۔ وہ اپنی ماں کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں اور کچھ نہیں۔ بچوں نے ہی مجھے، امبر اور ماں کو بھی مجبور کیا ہے کہ ہم سب مل کر اس بات کو بابا جان تک پہنچائیں اور میرے خیال میں یہ ان کا حق ہے۔ آخر بھابھی، خان کی بیوی ہیں۔ حق ہے خان کا بھابھی پر۔" رمیض نے احتشام کا غصہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو یہ بات چچا جان سے کرنی چاہیے۔ زاہدہ سے نہیں۔" احتشام نے سکون سے جواب دیا۔

"بچے چاہتے تھے، پہلے ماں راضی ہو جائے پھر وہ دادا سے بات کریں۔ بس اسی لیے یہ سب کچھ کیا ہے۔" رمیض نے بتایا تو احتشام نے زاہدہ کی طرف مڑ کر کہا۔

"زاہدہ! تم کیا چاہتی ہو؟"

زاہدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ احتشام رفیق سے کہنے لگے۔

"خان! تم میری بات کا برا نہ ماننا۔ تم ابھی چلے جاؤ۔ جب چچا جان آجائیں تب بات کریں گے۔ یہ سب کچھ جو ہوا، مناسب نہیں تھا اور ہمیں مزید کوئی بھی غیر مناسب بات کرنے سے بچنا چاہیے۔ اسی میں بھلائی ہے۔"

"لالہ! میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں۔ آپ میرے بڑے بھائی ہیں، محسن ہیں۔ اس لیے آپ کی بات مانتے ہوئے میں جارہا ہوں مگر میرے بچوں کو کسی نے بھی دھمکایا تو اس کا مقابلہ مجھ سے ہوگا۔ چاہے وہ میرا باپ ہی کیوں نہ ہو۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ رفیق خان کے جانے کے بعد زاہدہ نے سر اٹھایا اور رمیض سے کہا۔

"سب مل گئے اور مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔ تو میری بہن ہے امبر! تجھے بھی خیال نہ آیا کہ اگر چچا جان پوچھیں گے تو میری کیا عزت رہ جائے گی۔ سالوں کی ریاضت اور صبر مٹی میں مل جائے گا۔" وہ رونے لگی۔ احتشام نے اسے دلاسا دیا۔

"جب بابا جان چاہتے تھے تو شادی ہو گئی۔ رفیق خان کا دل چاہا مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ اب بچے چاہتے ہیں تو وہ یہ سب کر رہے ہیں۔ اس بات کو سوچے بغیر کہ ماں کی بھی کوئی عزت اور اہمیت ہے۔"

پتا نہیں کیوں آج اسے نفرت سی محسوس ہونے لگی اپنے آپ سے۔ آج بھی رفیق کے دل میں وہ مقام نہیں ہے اس کا، جو ہونا چاہیے۔ اسے صرف بچے چاہئیں میں نہیں۔" وہ تلخی سے مسکرانے لگی۔

"چچی جان! آپ کی بددعا لگ گئی مجھے۔ آپ نے کہا تھا اگر ملاقات کا سلسلہ چچا جان نے ختم کیا تو جو سکھ ان کے بیٹے سے چھینا جائے گا، وہ اللہ اس سے بھی چھین

لے گا۔ اللہ نے سن لی آپ کی چچی جان! میری آخری متاع میری اولاد ہے، جس کے سہارے میں زندہ ہوں۔ آج آپ کا بیٹا وہ بھی مجھ سے لینا چاہتا ہے۔ بلکہ لے چکا ہے۔"

☼ ☼ ☼

شام کے پانچ بجے تھے۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ چچی جان بشاشہ کو لے کر بیٹھی تھیں کہ صابر خان چیختے چنگھاڑتے آن پہنچے۔

"زاہدہ!" وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

"میں نے تجھ سے کہا تھا نا کہ یہ آدمی کتے کی دم ہے، کبھی سیدھی نہیں ہوگی اور تو نے کہا تھا کہ میں بھروسہ کروں۔ میں نے کیا اور انجام آج دیکھ آیا۔ ڈھونڈ لیا اس کتیا کو اس نے۔ گلچھرے ۔۔۔ اڑا رہا ہے تیرا خان اس بدذات عورت کے ساتھ اور تو یہاں بے خبر ہے۔ وہ کیوں لیٹ آتا ہے۔ تو نے کبھی پوچھا اس سے۔ اب بتا کیا سزا دوں تجھے؟"

چچا جان کی بات سن کر اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے۔ وہ اپنے دل کو تھام کر جہاں کھڑی تھی، وہیں بیٹھ گئی۔ چچی جان نے اس کی یہ حالت دیکھی تو فوراً اس کی طرف لپکیں۔

"زاہدہ! سنبھال اپنے آپ کو۔ کچھ نہیں ہوا ہے۔ سنبھال۔۔۔"

"وہ اس قابل ہی نہیں ہے کہ اسے اولاد کی نعمت ملے۔ اگر ایسا کچھ بھی ہوا تو میں زندہ نہیں رہنے دوں گا اسے۔ یاد رکھنا!" وہ غصے میں چنگھاڑتے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

زاہدہ سکتے کے عالم میں بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ اسے ساتواں مہینہ تھا۔ ڈاکٹر طاہرہ نے بتایا تھا کہ اس مرتبہ احتیاط کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ جڑواں بچے تھے۔ اس کی حالت غیر تھی۔ چچی جان نے اس کو دلاسا دینے کی کوشش کی مگر یہ صبر کر جانے والی بات نہیں تھی۔

"چچا جان! کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ وہی عورت ہے؟" کچھ دیر بعد زاہدہ نے ان کے کمرے میں پوچھا۔

"تو ابھی بھی گنجائش نکال رہی ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اسے۔ تیری آنکھوں پر جھوٹی محبت کی پٹی باندھ سکتا ہے، وہ صابر خان کو جل نہیں دے سکتا۔ میں باپ ہوں اس کا۔ میرے بندے ایک ہفتہ سے اس کے پیچھے ہیں۔ اور آج میں نے خود دیکھ لیا ہے اسے۔" وہ خاموش ہوئے تو زاہدہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"بابا جان جانتے ہیں؟"

"کس منہ سے بتاؤں اپنے سپوت کے کالے کرتوت انہیں۔ میں نے منع کیا تھا مگر لالہ میری کہاں مانتے ہیں۔ یہ اس محبت کے لائق ہے ہی نہیں۔ اگر میں نے دل پر پتھر رکھ کر پانچ سال پہلے اسے شوٹ کر دیا ہوتا تو صرف ایک رونا ہوتا۔"

زاہدہ خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کچھ ہی دیر بعد رفیق خان آگیا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے زاہدہ کا روتا ہوا چہرہ دیکھا تو پوچھا۔

"ثمرین آپ کو مل گئی؟"

وہ خاموش رہا۔ کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ کو مجھے بتا دینا چاہیے تھا۔ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"چچا جان گھر پر ہیں۔ انہوں نے بتایا مجھے۔" رفیق خان نے جیسے ہی سنا فوراً اسٹڈی میں جا کر اپنے فون سے نمبر ملانے لگا۔ اس کی اسٹڈی میں الگ فون تھا۔ رابطہ ملنے پر اس نے تیزی سے کہا۔

"ثمرین! بابا جان کو پتا چل گیا ہے۔ تم فوراً دوسری جگہ شفٹ ہو جاؤ۔ میں تمہیں اسی نمبر پر ملوں گا۔ تم مجھے ایڈریس سمجھا دینا۔" فون پر بات ختم کر کے وہ بولا "ہاں۔ ثمرین مل گئی ہے۔" چند لمحے خاموشی کے بعد وہ بولا۔

"تمہاری حالت کی وجہ سے میں نے تمہیں بتانا

مناسب نہیں سمجھا۔" چند منٹ خاموش رہنے کے بعد زاہدہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"خان! اب آپ جو کریں مجھے بتا دیجیے گا کیونکہ چچا جان نے پاسپورٹ دیتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ آپ ثمرین کو ڈھونڈ لیں گے اور اب وہ مجھ سے جواب مانگ رہے ہیں کہ میں نے کبھی آپ سے باز پرس کیوں نہیں کی۔ قصور ان کا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ ہم میں دل کا رشتہ ہے ہی نہیں کہ میری کچھ پوچھنے کی نوبت آئے۔"

"ہم پہلے ہی یہ بات کر چکے ہیں بلکہ تم نے ہی کہا تھا کہ شادی کے بعد اگر وہ مجھے مل گئی تو تم اس کے پاس جانے سے نہ مجھے روکو گی اور نہ ہی میرے راستے میں آؤ گی۔ بلکہ تم نے وعدہ کیا تھا کہ ثمرین سے ملنے میں میری مدد کرو گی۔"

"مجھے یاد ہے۔" زاہدہ نے بھرائی آواز میں کہا۔

وہ کھڑے ہو کر ٹہلنے لگا۔ اس کا اضطراب اور بے چینی اس کے چہرے اور انداز سے عیاں تھا۔

"اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"میں ثمرین کے ساتھ رشتہ رکھنا چاہتا ہوں' وہ اکیلی ہے' اسے میری ضرورت ہے۔ تم چاہو تو ہم ساتھ رہ سکتے ہیں۔ اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ مجھے یقین ہے' وہ مجھ سے اتنی محبت رکھتی ہے کہ میری خاطر وہ تمہیں اور بچوں کو ساتھ رکھنے کی اجازت دے دے گی۔ اس کی ماں چھ مہینے پہلے انتقال کر گئی ہے اور آٹھ مہینے ہوئے' وہ پاکستان آئی ہے۔ مجھے امید ہے تم سمجھ رہی ہو گی اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تمہیں پہلے ہی معلوم تھا کہ وہ میری محبت — میری بیوی ہے مجھ پر پہلا حق اس کا ہے۔"

زاہدہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی۔ اس کے دل کی حالت کیا تھی وہی جانتی تھی۔ اس کی ہر بات جیسے ایک خنجر کے وار کی طرح اس کے دل پر پڑ رہی تھی اور وہ بے خبر وار پر وار کیے جا رہا تھا۔

"چچا جان کو کیا جواب دیں گے؟" اس کے اس سوال پر وہ بھڑک گیا۔

"میں کسی کو جواب دہ نہیں ہوں۔ جو وہ چاہتے تھے میں نے کیا مگر اب میں اتنا اسٹیبل ہوں کہ اپنے فیصلے خود کر سکتا ہوں' وہ کوئی حق نہیں رکھتے میری نجی زندگی میں مداخلت کرنے کا۔" وہ گھر کر بولا۔

"مگر میں جانتا ہوں۔ وہ باز نہیں آئیں گے مداخلت کرنے سے۔ اس لیے میں سارے انتظامات کر چکا ہوں۔ اب میں وہ سب نہیں ہونے دوں گا۔ جو وہ پہلے میرے اور ثمرین کے ساتھ کر چکے ہیں۔ اب میں اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گا۔" یہ کہہ کر وہ مڑا' بیڈ پر سوئی بشامہ کو جھک کر پیار کیا اور زاہدہ کو ایک نظر دیکھ کر باہر نکل گیا۔

صابر خان لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔ رفیق خان کو آتے دیکھ کر کھڑے ہوئے اور دھاڑتے ہوئے پوچھا۔

"تم آج لنچ ٹائم میں کس کے ساتھ تھے؟"

پھر رفیق کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

"تم کتنے بھی پاور فل کیوں نہ ہو جاؤ۔ میں تمہارا باپ ہی رہوں گا۔ مجھے آج بھی کمزور سمجھنے کی غلطی نہ کرنا۔ بے دھڑک شوٹ کر دوں گا۔ میں آج بھی وہی صابر خان ہوں جو کل تھا۔ میں ہی تمہاری بنیاد ہوں۔ یاد رکھو! اگر بنیاد ہٹ گئی تو تم کھڑے نہ رہ سکو گے۔"

رفیق خان نے کوئی جواب نہ دیا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ صابر خان دھم سے صوفے پر بیٹھ گئے۔

زاہدہ ڈرائیور کے ساتھ اپنے گھر پہنچی تھی اور اپنے باپ بھائیوں کے سامنے' یہ مسئلہ رکھا تھا۔ وہ بھڑک گئے تھے لیکن احتشام نے زاہدہ کے ہاتھ نرمی سے تھام کر پوچھا۔

"یہ تمہاری زندگی ہے زاہدہ! ہم مشورہ دے سکتے ہیں مگر اس پر عمل کرنا یا اس کو تسلیم کرنا تمہارا فیصلہ ہے۔ تم ہمیں بتاؤ کہ تم اس مسئلہ کا کیا حل دیکھتی ہو۔"

زاہدہ خاموش رہی۔ وہ ڈر رہی تھی کہ باپ اور بھائی اس کے فیصلہ سے خوش نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہ چہرے جو اس وقت اتنے متفکر ہیں' یہ اس سے محبت

کرنے والے چہرے ہیں۔ وہ آخر کب تک انہیں پریشان کرتی رہے گی۔ اس نے ایک گہری سانس بھر کر کہا۔

"جب میں نے پاسپورٹ مانگا تھا۔ چچا جان نے مجھے آگاہ کر دیا تھا۔ مگر وہ پاسپورٹ ثمرین اور خان کے ملن کا سبب نہیں بنا۔ بلکہ خان کی مضبوطی کا سبب ہوا اور اب وہ اتنے ہی طاقت ور ہیں' جتنے چچا جان۔۔۔ اور وہ طاقت ور آدمی ٹکرا کر سب کچھ ختم کر دیتے ہیں۔ بابا جان۔۔۔! میں چاہتی ہوں کہ خان کو جانے دیا جائے۔ وہ اپنا فیصلہ کر چکے ہیں۔ ان سے جھگڑے اور بحث کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں ان کی خوشی چاہتی ہوں اور ان کی خوشی میں نہیں' ثمرین ہے۔" وہ روتے ہوئے کانپتی آواز میں سب کچھ کہہ گئی۔

سرور خان نے زاہدہ کا فیصلہ صابر خان کو بتایا تھا تو وہ بھڑک اٹھے تھے۔

"لالہ اگر وہ جانا چاہتا ہے تو صرف اور صرف آپ کی خاطر میں پیچھے ہٹ جاتا ہوں لیکن اگر وہ واپس آیا تو زاہدہ اسے قبول نہیں کرے گی۔ جب تک وہ اس عورت کے ساتھ ہے' میری بیٹی اور بچوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اگر ان کے قریب بھی پھٹکا تو کسی دشمن کی طرح اس سے نمٹوں گا۔ یہ یاد رکھنا۔"

ان کا سرخ چہرہ ان کے غصہ کا غماز تھا۔

☆ ☆ ☆

شام کو وہ عبداللہ کی فرمائش پر اس کے لیے سوپ بنانے میں مصروف تھی۔ آج ہفتہ تھا اور بشامہ نے اسے بتا دیا تھا کہ بابا آئیں گے۔ باہر ڈرائیوے میں گاڑی رکنے پر وہ سمجھ گئی کہ رفیق خان آگیا ہے۔

وہ سوپ کے پیالے لیے مڑی تو غیر متوقع طور پر سامنے رفیق کو کھڑے پایا۔ سفید شرٹ' سرمئی ٹائی اور کالا سوٹ' سلیقے سے تراشے بال اور گھورتی بڑی بڑی سبز آنکھیں۔

وہ ایک لمحے کے لیے کوئی حرکت نہ کر سکی۔ رفیق خان آگے بڑھا۔ وہ پیچھے نہیں ہٹ سکتی تھی' اس کے پیچھے چولہا تھا۔ اس نے ایک طرف سے نکلنے کی کوشش کی تو رفیق خان نے ہاتھ بڑھا کر روک دیا۔ زاہدہ نے چہرہ اوپر کر کے اس کی طرف دیکھا۔ بولی کچھ نہیں۔

رفیق خان اسے دیکھ رہا تھا۔ سیاہ کاٹن کے سوٹ پر بڑی سی چادر اوڑھے وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ حسن تو آج بھی اس کا آفتاب تھا۔ بس دکھوں کی دھوپ نے اس کی آنکھوں میں اداسی اور آنکھوں کے نیچے حلقے ڈال دیے تھے۔ آج بھی اس کے ریشمی بال اتنے ہی لمبے تھے۔ اس کی بڑی چادر سے بھی اس کی چوٹی باہر لٹکتی نظر آتی تھی۔ وہ خاموش کھڑی رہی۔

رفیق نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹی سی ڈبی نکالی اور اس کی طرف بڑھا دی۔ زاہدہ نے ہاتھ نہیں بڑھایا خاموشی سے اس ڈبی کو دیکھتی رہی۔ سرخ رنگ کی چھوٹی سی مخمل کی ڈبیا۔ رفیق نے دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تو اس نے فوراً اس کے ہاتھ سے وہ ڈبیا لے لی۔

"یہ ناک کی لونگ ہے پہن لو' میں ابھی مرا نہیں ہوں۔" یہ کہہ کر تیزی سے کچن سے نکل گیا۔ ڈبیا دیکھ کر جیسے وہ ماضی میں کھو گئی۔ جب رفیق اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے کہہ رہا تھا۔

"لونگ اتار دو' اب اس کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔ میں واپس نہیں آؤں گا۔ تم جب چاہو میں تمہیں چھوڑنے کے دستخط کر دوں گا' پھر تم آزادی سے اپنا فیصلہ کر سکتی ہو۔"

اور اس نے روتے ہوئے اپنی لونگ اتار کر اس کے ہاتھ میں رکھ دی تھی۔ رفیق نے اس کے سہاگ کی وہ آخری نشانی بھی اس سے چھین لی تھی۔ پھر سب زیورات کے ساتھ ڈبے میں بند کر کے اس کے سامنے الماری کو مقفل کر دیا تھا۔ آج بھی وہ الماری ویسے ہی بند تھی۔ اس نے اس الماری کو کھولنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

اور آج وہی رفیق خان اس کے لیے لونگ لایا تھا۔

اس نے آہستہ سے ڈبیا کھولی۔ اندر ہیرے کی چمکتی

چھوٹی سی لونگ جگمگا رہی تھی۔ زاہدہ نم آنکھوں سے چند لمحے اس کو دیکھتی رہی پھر ڈبیا بند کر کے دراز میں رکھ دی۔ لونگ پہننے کا اس کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

کھانا کھا کر جب رفیق خان جانے لگا تو زاہدہ ڈرائنگ روم کے دروازے تک آئی۔ رفیق نے اچانک ہی مڑ کر کہا۔

"لونگ پہننے کے لیے دی تھی۔ دوبارہ آؤں تو نظر آئے ورنہ تم جانتی ہو۔۔۔"

۞ ۞ ۞

ایک شام اچانک رفیق نے کہا۔ "چلو میرے ساتھ۔ تم سے کام ہے۔"

"کہاں؟" زاہدہ نے کہا۔

"ابھی دو گھنٹے میں واپس آجائیں گے چلو بس۔"

زاہدہ کا وزن بڑھ گیا تھا اور اب اس کے لیے چلنا ذرا دشوار ہوتا تھا۔ مگر رفیق کے حکم پر اس نے بڑی سی چادر لپیٹی اور چل دی۔

گاڑی ڈیفنس سے نکل کر کلفٹن میں داخل ہو گئی اور ایک بنگلے کے سامنے رک گئی۔ بنگلے کے باہر دو گارڈز تھے۔ ڈرائیور نے ہارن دیا گیٹ کھل گیا۔ بنگلہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ چھوٹا سا لان تھا۔ ڈرائیو وے میں گاڑی رکی تو رفیق اترتے ہوئے بولا "نیچے اترو۔" وہ نیچے اتر آئی۔ ابھی وہ اتری ہی تھی کہ ایک نسوانی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ریف!" اس نے مڑ کر دیکھا۔ رفیق لاؤنج کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ اس کی گردن میں دو ہاتھ ڈلے ہوئے تھے جیسے کوئی اس کے گلے لگا ہو۔

زاہدہ کا دل حلق میں آگیا۔ اس کے پیٹ میں جیسے گرہیں پڑ رہی تھیں۔ اسے ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔ وہ کانپ رہی تھی مگر پھر بھی اس نے قدم بڑھائے۔ سامنے نظر آنے والا نظارہ اگر کوئی اور دیکھتا تو کسی فلم کا سین سمجھتا۔ مگر یہ سب منظر زاہدہ دیکھ رہی تھی اور اس منظر میں اس کا عزیز از جان شوہر اس کی زندگی کا حاصل اس کی محبت۔ کسی اور کی کمر میں ہاتھ ڈالے مسکراتے ہوئے اس کا منتظر تھا۔

ثمرین رفیق کے کندھے پر سر ٹکائے لاؤنج کے دروازے میں کھڑی زاہدہ کو بڑی طنزیہ مسکراہٹ سے اوپر سے نیچے نظریں دوڑا کر دیکھ رہی تھی۔

"سیم! یہ ہے زاہدہ اور زاہدہ! یہ ہے سیم۔" رفیق نے تعارف کروایا۔

"ہیلو، کیسی ہو؟ اور بشامہ کیسی ہے؟" ثمرین نے پوچھا۔

بڑی مشکل سے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے اپنا کانپتا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ یکایک جیسے اس کے سارے بدن میں ایک ناقابل برداشت جلن دوڑ گئی۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں تو اس نے سر جھکا لیا۔

"سرپرائز کرنے والی عادت نہیں گئی تمہاری۔ بتا دیتے مجھے کہ تم زاہدہ کو لے کر آرہے ہو تو میں کچھ انتظام کر لیتی اور بشامہ کہاں ہے۔ اسے کیوں نہیں لائے تم؟" یہ کہتے ہوئے وہ لاؤنج کی طرف بڑھی۔ رفیق اس کے پیچھے پیچھے زاہدہ سے بے نیاز ہو کر ایسے چل دیا جیسے وہ یہاں موجود ہی نہ ہو۔ زاہدہ نے اپنے بہتے ہوئے آنسو پونچھے اور ان کے پیچھے چل دی۔ وہ ثمرین کے بالکل قریب بیٹھا اور صوفے کی پشت سے ہاتھ لے جا کر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ زاہدہ کو سامنے والے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ثمرین مناسب قد کی حامل تھی۔ سانولا میلا رنگ، سیاہ بڑی بڑی آنکھیں، کھڑی ناک، خوب صورت بھرے بھرے ہونٹ، کندھوں تک کٹے خوب صورتی سے سنورے بال، سڈول خوب صورت جسم اس وقت اس نے جدید تراش خراش کا گہرے میرون کلر کا شلوار قمیص پہنا تھا۔ گلے میں نیکلس اور کانوں میں جھولتے آویزے۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی تمام انگلیوں میں انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ اس کے کانوں میں لمبے آویزوں کے علاوہ دو اور بھی چھوٹی چھوٹی بالیاں تھیں۔ ناک میں چھوٹی سی بالی جس میں ہیرا چمک رہا تھا۔ جو اس کے چہرے کی کشش کو اور بڑھا رہا

تھا۔ وہ دل میں اعتراف کر رہی تھی کہ خان کی پسند بہت خوب صورت تھی۔

اس کے سامنے بیٹھ کر رفیق خان ثمرین کے کانوں میں مسکراتے ہوئے سرگوشی کرتا اور وہ کھلکھلا کر ہنس دیتی یا برابر میں پڑا کشن شوخی سے اسے مارنے لگتی جسے وہ اپنے ہاتھوں پر روک رہا تھا۔

وہ وہاں موجود تھی، یہ بات شاید وہ دونوں ہی بھول گئے تھے۔

تب ہی ٹیلی فون کی بیل بجی تو دونوں کی توجہ ٹیلی فون کی طرف چلی گئی۔ ثمرین فون سننے لگی۔ زاہدہ نے ہمت کر کے خان سے کہا۔

"خان! گھر چلیں، بشامہ جاگ گئی ہو گی؟"

"ابھی نہیں، ثمرین کو برا لگے گا۔ تھوڑی دیر بیٹھو پھر چلتے ہیں۔"

"آفس سے فون تھا۔ میں نے کہا میں ایک گھنٹے میں آتی ہوں۔"

وہ دونوں پھر اسے بھول کر دوبارہ باتوں میں مشغول ہو گئے۔ جب وہ ثمرین سے بات کرتا تو ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک آجاتی۔ مگر جب کچھ دیر پہلے اس نے جانے کے لیے پوچھا تو اس کی آنکھوں میں غصہ اور چہرے پر سنجیدگی آگئی۔

کتنا فرق تھا خان کے سلوک میں اور وہ اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ اسے ساتھ رکھے گا ثمرین کے۔ کیا وہ خان کے اس طرح کے سلوک کو برداشت کر پائے گی؟ اسے لگا جیسے وہ کسی انجان جگہ پر غیروں میں گھر گئی ہے۔ بالکل اکیلی ہے۔

کتنا وقت ہوا تھا، پتا نہیں، پھر اس نے اچانک ثمرین کو کہتے سنا۔ "ریف پلیز۔ اب مجھے جانا ہے تاکہ میں جلدی کام ختم کر کے آجاؤں پھر ڈنر ساتھ کریں گے۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔ بندہ تو غلام ہے۔" رفیق نے کھڑے ہو کر اس کے سامنے جھکتے ہوئے کہا تو اس نے کشن کھینچ کر مارا اور ایک بار پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔

زاہدہ دل میں شکر ادا کرتے ہوئے کھڑی ہوئی اور اس سے ہاتھ ملا کر باہر آگئی۔ وہ لاؤنج کے باہر کھڑی خان اور ثمرین کے قہقہوں کی آوازیں سن رہی تھی۔ پھر وہ دونوں باہر آگئے۔ رفیق نے ابھی تک اس کی کمر میں ہاتھ ڈال رکھا تھا۔ اور اس سے کہہ رہا تھا۔

"گارڈ کے بغیر نہ جانا، خطرہ ہے اور کام ختم کر کے فوراً گھر پہنچو۔ میں زاہدہ کو گھر چھوڑ کر تمہارے پاس آجاؤں گا۔ او کے۔"

ثمرین نے او کے کیا اور پنجوں پر اونچے ہو کر رفیق کا گال چوم لیا۔

رفیق خان مسکراتے ہوئے اسے چھوڑ کر آگے آگے چل دیا اور وہ ان کے پیچھے پیچھے چل دی۔ سارے رستے ان دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ خان اسے باہر ہی سے چھوڑ کر چلا گیا۔ بغیر کوئی بھی بات کیے۔

اس کے آنسو رک ہی نہیں رہے تھے۔ اسے ایسا لگ رہا تھا، جیسے سب ختم ہو گیا ہے۔ ہر ہر منظر اس کے سامنے گھوم رہا تھا۔ اس کا دل غم سے، درد سے پھٹ رہا تھا۔ اس کے رونے کی آواز شاید زیادہ بلند تھی۔ کیونکہ چچی جان اور خان زادی آگئی تھیں۔ چچی جان پوچھ رہی تھیں کہ کیا ہوا اسے، کہاں گئی تھی؟ خان کہاں لے گیا تھا اسے مگر وہ اپنی ماں کو آوازیں دیتے دیتے بے ہوش ہو گئی۔

۞ ۞ ۞

"تم کیا چاہتی ہو زاہدہ دو ٹوک بتاؤ؟" احتشام لالہ نے سوال کیا۔

"میری بالکل سمجھ میں نہیں آرہا لالہ! میں کیا کروں؟ ایک وقت تھا جب میں نے ضد کر کے زبردستی ان سے شادی کی پھر ان کی خوشی کے لیے انہیں اپنی ذمہ داری سے بھی آزاد کیا۔ میں نے بہت انتظار بھی کیا ہے۔ کیونکہ میں نے کبھی ان کے علاوہ کچھ سوچا ہی نہیں۔ کچھ کیا ہی نہیں۔ ان کے انتظار کے علاوہ مگر۔۔۔" سسکیوں نے اسے بات مکمل نہ کرنے دی۔

"مگر اب جب بچے، چچی جان، امبر، رمیض سب مل کر انہیں میرے قریب لانا چاہتے ہیں اور وہ بھی آنا

چاہتے ہیں واپس ۔۔۔ معافی مانگی ہے مجھ سے لالہ! انہوں نے ہاتھ جوڑے ہیں۔ بہت نادم ہیں تو پتا نہیں کیوں دل مان نہیں رہا۔ میں فیصلہ نہیں کر پا رہی کہ خان کے دل میں میری جگہ ہے۔ وہ میرے لیے واپس آرہے ہیں یا اب ان کو ان کے بچے چاہئیں میں اب بھی نہیں۔" کچھ دیر رک کر آنسو پونچھنے کے بعد اس نے دونوں بھائیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لالہ میں ان اٹھارہ انیس دنوں میں بوڑھی ہونے لگی ہوں۔ دل میں جیسے طاقت ہی نہیں ہے۔ اگر خان واپس آئے اور انہوں نے پھر سے وہی رویہ رکھا وہی غصہ سرد مہری' خاموشی' بات بات پر ڈانٹنا' ہر بات پر ناراض ہونا' سب کے سامنے بے عزتی کرنا تو شاید دل اب برداشت نہیں کر سکے گا۔ مجھے ڈر لگتا ہے لالہ۔"

وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ اختشام تب دیدہ ہو گئے۔ اسے گلے سے لگا کر بولے۔

"یہ کیا زندگی ہے زاہدہ تیری' ہم چاروں جب بھی ملتے ہیں۔ تو روتی رہتی ہے۔ اب تو مجھ سے بھی برداشت نہیں ہوتا۔

زاہدہ! میں نے تجھ سے پوچھا ہے تو کیا چاہتی ہے؟ خان کے ساتھ رہنا ہے یا نہیں؟ کیونکہ خان اگر چاہتا ہے تو وہ اب اپنے بچے لے جائے گا۔ اب چچا جان اکیلے ہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ اب کچھ کر پائیں گے۔ تو پھر تو اس طرح اکیلی کیا کرے گی؟ اگر تجھے اس پر بھروسا نہیں ہے تو بالکل ختم کر اس بات کو' طلاق قبول کر۔ اس طرح دو کشتیوں میں سوار ہو کر منزل نہیں ملے گی۔ نکاح بھی ہے' ساتھ بھی نہیں ہو۔۔۔ یہ جینے کا طریقہ نہیں ہے۔"

"لالہ میں طلاق کا سوچنا بھی نہیں چاہتی۔ میں ایک بیٹی کی ماں ہوں میں نے اپنی بیٹی کے لیے بڑے بڑے خواب دیکھے ہیں اگر ایسی کوئی بات ان کے سامنے رکھی گئی اور انہوں نے قبول کر لی تو میری بیٹی کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ میں اس نکاح کو ختم نہیں کرنا چاہتی۔"

"اور اب تو قبیلے کے تمام سردار رفیق خان کی سرداری پر متفق ہیں اور لگ رہا ہے کہ عنقریب جرگہ اس کی دستار بندی کا اعلان کر دے گا۔" تنویر خان نے بات آگے بڑھائی۔

"پھر تو چچا جان جرگہ کے تقدس کا خیال رکھیں گے ہی اور تو ساری زندگی اکیلی رہ جائے گی۔" زاہدہ نے ایک بے چارگی اور یاس کے ساتھ بھائی کی طرف دیکھا۔

تنویر نے فوراً کہا۔ "ہم تینوں جب تک زندگی ہے' تیرے ساتھ ہیں۔ تیرا خان کے ساتھ نکاح ہمارے ہاتھ باندھتا ہے۔ یا تو ہم تجھے لے جائیں یا پھر تو اپنے بچوں کے ساتھ رہ۔"

"اور یہ بھی تو غور کر کہ بابا جان کی یہی خواہش تھی کہ وہ فیملی میں واپس آئے۔ اور سردار بنے۔ اتنی محنت کی' اتنا صبر کیا اور آخر میں آکر تھک گئی۔ تو تو مثال ہے ہم سب کے لیے صبر اور محبت کی۔ ڈر نہیں' وہ دے گا تجھے تیرا حق۔ تو خان زادی ہے رتبہ میں اس سے کم نہیں ہے۔" تنویر لالہ نے کہا۔

"لالہ! چچا جان نے شرط رکھی تھی خان کو جانے کی اجازت دینے کی کہ پھر کبھی میں انہیں قبول نہیں کروں گی اور میں نے بابا جان کے سامنے خان کی خاطر مان لی تھی۔ میں کیسے بات کر سکتی ہوں چچا جان کی اجازت کے بغیر۔"

اس کی بات پر دونوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

☼ ☼ ☼

رفیق خان ڈرائنگ روم میں ہاتھ پیچھے کمر پر باندھے اپنے دادا کی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ جس میں صابر خان اور اس کے بابا جان بھی تھے۔

"دیکھو! دادا جان اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ کتنے فخر سے کھڑے ہیں۔ آج مجھے ان کا یہ تصویر بنوانے کا مقصد سمجھ میں آیا ہے۔"

یکدم وہ اس کی طرف مڑے۔

"تم نے فون کیا تھا؟"

نظریں جھکائے سامنے بیٹھی وہ کوئی مورت لگ

رہی تھی۔ سفید کپڑے، سفید چادر اس کی زندگی سے تمام رنگ چھین کر اسے دو رنگ دیے تھے سیاہ اور سفید۔

"آپ نے بچوں کی کسٹڈی کا کیس فائل کیا۔ تب میں جانتی تھی کہ آپ کیس نہیں جیت پائیں گے اور وہی ہوا۔ آپ کو صرف بچوں سے ملنے کی اجازت دی گئی مگر آج آپ نے بچوں کو میرے خلاف کردیا ہے میری انہیں پروا نہیں رہی۔ جیسے آپ نے کبھی میری پروا نہیں کی، وہی سب مجھے آج اپنے بچوں میں نظر آتا ہے۔ آپ نے آج تک جو کیا۔ وہ صرف میں نے نہیں، میرے باپ اور بھائیوں نے بھی صبر سے برداشت کیا ہے مگر اب مجھ میں اور حوصلہ باقی نہیں ہے۔ میں مزید کسی کی تکلیف اور پریشانی کا باعث نہیں بننا چاہتی۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ۔۔۔۔"

اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس کی زبان بند ہو گئی اور آنکھیں بھیگ گئیں۔

رفیق کی بھی سانسیں رک گئیں۔ وہ جانتے تھے آج اس کے فیصلے پر ان کی زندگی ٹکی تھی۔ یہ وہی آواز تھی اور وہی لب، جو اس کے سامنے کبھی نہ کھلے تھے اور آج جب مدعا زبان پر آیا تھا تو ایک مسلسل سزا کے فیصلہ کے ساتھ۔

اس نے اپنی بھیگی پلکیں اٹھا کر رفیق کی طرف دیکھا جو بت کی طرح ساکت اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"بچے آپ کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ مجھے یا میری محبت کو کچھ جانتے تو آپ کے پاس جانے سے پہلے مجھ سے ضرور بات کرتے۔ انہوں نے آپ سے رابطہ کیا۔ آپ کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے میں ابھی تک آپ کی محتاج ہوں۔ آج آپ اپنی زندگی میں میری حیثیت کا تعین کردیں تاکہ مجھے فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔" وہ خاموش ہو گئی۔ اسی خاموشی میں کئی منٹ گزر گئے۔

"میں نے تمہارے بچوں کو تمہارے خلاف نہیں کیا ہے زاہدہ! میں سب کچھ کرتا ہوں۔ مگر جھوٹ نہیں بولتا۔ یہ برائی میری فطرت میں نہیں ہے۔ تم اپنے بچوں سے بدگمان ہو رہی ہو۔ وہ جتنا تمہیں چاہتے ہیں، اس کا اندازہ نہیں ہے تمہیں۔ صرف اپنے ماں باپ کو ایک ساتھ اور خوش دیکھنا چاہتے ہیں میرے بچے۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ تم جیسے ہیں۔ وہ مجھے تمہاری وجہ سے چاہتے ہیں۔۔۔ اور رہا تم سے بات کرنے کا سوال تو تم اپنے آپ سے پوچھو۔۔۔ انہوں نے جب بھی تم سے میرے بارے میں بات کرنے کی کوشش کی، تم نے انہیں جواب دیا، غلط فہمی ہے تمہیں کہ بچے میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود وہ مجھ سے جتنا پیار اور عزت کرتے ہیں، یہ سب تمہاری بدولت ہے اور میں اس بات سے کتنا خوش ہوں، میں بتا نہیں سکتا۔ میرے بچوں سے بدگمان نہ ہو۔ یہ میری درخواست ہے تم سے۔"

رفیق خان نے بچوں کے بارے میں تو اسے بتا دیا مگر وہ خود کیا چاہتا ہے، یہ سوال ابھی تک اپنی جگہ موجود تھا۔ اس کے اندر کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

"میں تمہارے بارے میں کیا سوچتا ہوں؟ تم میری کیا ہو؟ میری زندگی میں تمہاری کیا جگہ اور حیثیت ہے۔۔۔ میں تم سے یہ ہی کہوں گا کہ بچے جو چاہتے ہیں، انہیں کرنے دو۔ اگر ان کا ساتھ نہیں دینا چاہتیں تو خاموش رہو۔ انکار یا اقرار مت کرو جیسے تم نے کل بھروسا کیا تھا مجھ پر، ایک مرتبہ پھر میرے کہنے پر مجھ پر بھروسا کرلو۔

میں مانتا ہوں، تمہارے ساتھ تمہارے بابا جان اور بھائیوں نے بھی بہت تکلیف برداشت کی ہے۔ میں تمہاری ساری باتوں کے جواب میں تم سے ایک مرتبہ پھر بھروسا مانگتا ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں میری وجہ سے تمہیں اب کبھی پریشانی نہ ہوگی۔" کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ رات اس نے ہسپتال میں گزاری اور دوسرے دن صبح نو بجے گھر آئی۔ جب وہ لاؤنج میں پہنچی تو سامنے سیڑھیوں سے رفیق خان اترتا دکھائی دیا وہ آفس جانے

کے لیے تیار تھا۔ اسے دیکھ کر وہیں رک گیا۔

"کیسی طبیعت ہے؟"

زاہدہ نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔

"ایسا کیا ہو گیا تھا کہ تم بے ہوش ہی ہو گئیں۔ یہ ڈراما آئندہ نہیں ہونا چاہیے۔ سب کچھ تو ہے گھر میں۔ کھاؤ پیو عیش سے رہو۔"

وہ حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس سے دلی لگاؤ تو دور، انسانی ہمدردی بھی نہیں رکھتا، جو ایک راہ چلتے کو بھی دوسرے انسان سے ہو جاتی ہے۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں تو اس نے سر جھکا لیا۔

"میں آج رات کو نہیں آؤں گا۔ میرا انتظار نہ کرنا۔ اگر وقت ہوا تو کل صبح شاید چکر لگالوں۔" کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ کتنی آسانی سے جا رہا تھا اور وہ اس کے قدموں کو جاتے ہوئے نہیں اپنی زندگی سے نکلتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔

وہ اس رات کو گھر نہ لوٹا۔ زاہدہ نے ساری رات جیسے انگاروں پر لوٹ کر گزاری تھی۔

☆ ☆ ☆

"اب ہم سے تمہارا تعلق صرف اتنا ہے کہ زاہدہ کے بچوں کی ولدیت میں تمہارا نام لکھا جائے گا۔ اس سے زیادہ نہیں۔"

"مجھے منظور ہے۔ زاہدہ کو جب کسی چیز کی ضرورت پڑے، مجھے بتا دے۔ زاہدہ میری ذمے داری رہے گی مگر" خلاف توقع رفیق خان نے آرام سے بات کی تھی۔

"جو ثمرین نے اور میں نے برداشت کیا آپ لوگوں کے ہاتھوں، وہ حساب میں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔" رفیق نے تنویر خان کو دیکھ کر کہا۔

"تم ایک طرفہ بیان سن کر فیصلہ کر رہے ہو خان! اگر تم بدلہ چاہتے ہو تو پہلے تحقیق کرو اصل بات کی پھر کوئی قدم اٹھانا۔

پھر بھی تم سمجھتے ہو کہ وہ حساب اس طرح چکتا ہوتا ہے تو غلط سمجھ رہے ہو تم نے جو میری بیٹی کے ساتھ آج تک روا یہ اختیار کیے رکھا اور اب جو کچھ اسے دے کر جا رہے ہو، وہ اس سے زیادہ ہے۔" سرور خان نے سنجیدگی سے کہا۔

"بابا جان! صرف آپ کی بات مانتے ہوئے میں کوئی بھی قدم بغیر تحقیق کے نہیں اٹھاؤں گا۔ لیکن اگر ثمرین کا کہا ذرا سا بھی سچ ثابت ہوا تو میں اپنا بدلہ ضرور لوں گا۔"

یہ کہہ کر رفیق خان کھڑا ہوا۔ بشامہ کو زاہدہ کی گود سے لیا اور زاہدہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ زاہدہ نے اس کا ہاتھ تھام کر کھڑی ہو گئی، پھر وہ اس کا ہاتھ تھامے اس کے کمرے میں لے آیا۔ بشامہ کو پیار کر کے اسے پھر زاہدہ کی گود میں بٹھا دیا۔ وہ تیزی سے اپنے تمام کاغذات وغیرہ بیگ میں ڈالنے لگا۔ زاہدہ روتے ہوئے ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔

"خان!" وہ بیگ لے کر جانے ہی والا تھا کہ زاہدہ نے آواز دی۔

"خان! مجھے بھولیے گا نہیں۔ میرے بچوں کو یاد رکھیے گا۔"

وہ رفیق خان کا ہاتھ پکڑ کر سسک اٹھی۔

"اگر تم یہ نکاح رکھنا چاہتی ہو تو تمہیں یہ دو رنگ دے رہا ہوں۔ میں تمہیں صرف ان دو رنگوں میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم نے اور تمہارے باپ نے جو میرے اور ثمرین کے ساتھ کیا ہے۔ یہ اس کا بدلہ بھی ہے اور میرا حکم بھی۔۔۔ اور سنگھار بھی اب تم پر حرام ہے۔"

رفیق خان نے الماری سے ایک سیاہ اور ایک سفید کاٹن کا سوٹ نکال کر اس کے سامنے بیڈ پر ڈھیر کر دیا۔ پھر بشامہ کو پیار کر کمرے سے نکل گیا اور زاہدہ بھیگی آنکھوں سے خوشیوں اور خوابوں کو اپنی زندگی سے رخصت ہوتے دیکھتی رہ گئی۔

خان کے جانے کے ڈیڑھ مہینے بعد عبدالرحمٰن اور عبداللہ دنیا میں آئے۔ زاہدہ کو موہوم سی امید تھی کہ وہ آئے گا مگر وہ نہیں آیا۔

اسی طرح زندگی چلتی رہی اور وہ خان کی مقرر کی ہوئی حدوں میں رہتے ہوئے اپنے بچوں کے ساتھ زندگی گزارنے لگی۔ چچی جان نے کئی مرتبہ کوشش کی کہ وہ ان رنگوں کے علاوہ بھی کوئی رنگ پہنے مگر اس نے کبھی خان کی بات کو رد نہ کیا۔

خان کے جانے کے تین مہینے کے بعد ہی اس کی پھوپھی نے دونوں بھائیوں کے سامنے یہ بات رکھی کہ اگر رفیق خان سے طلاق دلوادی جائے تو وہ زلیدہ کو بلاول خان کے لیے مانگتی ہیں۔ یہ سلسلہ تین مہینے تک چلتا رہا۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ چچا جان اس کی خوشی چاہتے تھے۔ انہوں نے بہت زور دیا مگر وہ نہیں مانی۔ یہ بات رفیق خان کے کانوں تک پہنچ گئی اور تب ایک دن صبح جب وہ اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ دروازہ کھلا اور رفیق خان اندر آیا۔ وہ حیران دیکھتی رہی کہ شاید یہ خواب ہے۔

"زلیدہ! میں نے سنا ہے پھوپھی جان تمہارا رشتہ لائی ہیں بلاول کے لیے۔ میں چاہتا ہوں تم ہاں کردو۔ میرا انتظار فضول ہے۔ میں ثمرین کے ساتھ بہت خوش ہوں۔ میں کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گا۔ تم جب چاہو میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ زلیدہ بلک کر رو پڑی۔

"اپنے بچوں کو ہی دیکھ لیتے۔ اپنے بیٹوں کو۔۔۔"

☼ ☼ ☼

اتوار کی صبح ناشتے کے بعد صابر خان لان کے معائنے کے لیے نکلے۔ حج سے آنے کے بعد ان کا یہی معمول ہو گیا تھا۔ ابھی وہ دیکھ ہی رہے تھے کہ پہلے ایک بڑی پراڈو ڈرائیوے میں رکی اور پھر اس کے بعد دو گاڑیاں گیٹ سے اندر داخل ہو گئیں۔ وہ ان سب گاڑیوں کو پہچانتے تھے۔ اس لیے اپنی جگہ کھڑے دیکھتے رہے۔

پہلی گاڑی سے احتشام باہر نکلے۔ سامنے سے آتے ہوئے وہ بالکل خان سرور خان کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ وہی لمبا قد' دبلا جسم' چہرے پر وہی مسکراہٹ۔۔۔ انہیں دیکھ کر صابر خان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ انہیں لالہ شدت سے یاد آئے۔ قریب آکر احتشام نے چچا کے ہاتھ چومے پھر ہاتھ ملایا۔ سلام کے ساتھ طبیعت وغیرہ پوچھی پھر ساتھ ٹہلنے لگے۔

"زہے نصیب۔۔۔ میرے بیٹے آئے ہیں۔۔۔ مگر یہ کیوں آیا ہے میرے گھر؟ آج تو پانچ تاریخ نہیں ہے۔" وہ ڈرائیوے پر رکی تیسری گاڑی کے پاس سر نیچے کیے کھڑے رفیق خان کو دیکھ کر درشت لہجے میں بولے۔

"آپ سے معافی مانگنے آیا ہے چچا جان!" احتشام لالہ نے آرام سے کہا۔ صابر خان خاموشی سے چند لمحے احتشام خان کو دیکھتے رہے' پھر بولے۔

"میں آج تک افسوس کرتا ہوں رفیق میرا بیٹا کیوں ہے؟ وہ اتنا احسان فراموش' منفی سوچ رکھنے والا' بے ضمیر اور بے بنیاد آدمی ہے کہ مجھے اس کو بیٹا کہتے ہوئے نفرت محسوس ہوتی ہے۔"

"چچا جان! زلیدہ کی خوشیوں کی خاطر آپ اسے گلے لگالیں۔"

"وہ قابل اعتبار نہیں ہے احتشام! مجھے ڈر لگتا ہے کہ اس کی کوئی بھی حرکت مجھ سے میرے بچے چھین لے گی۔"

احتشام نے چچا جان کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامتے ہوئے کہا "چچا جان! یہ بچوں کی ہی خواہش ہے کہ ان کا باپ آپ سے معافی مانگے۔ بچے اسے اپنی ماں کے ساتھ دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی ماں کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔"

سرور خان کا انتقال اچانک ہارٹ اٹیک سے ہوا تھا۔ جب انہیں دل کا درد اٹھا تو شاید وہ موت سے آگاہ تھے' ان کی خواہش تھی رفیق سے ملنے کی مگر ایک تو رفیق خان ملک میں نہیں تھا اور دوسرے ثمرین نے اس کا نمبر دینے سے صاف انکار کرتے ہوئے احتشام سے کہا تھا کہ "رفیق کا اب ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے' اس لیے کوشش بھی نہ کی جائے۔"

وقت کم تھا۔ سرور خان نے آخری لمحوں میں صابر خان سے کہا تھا۔

"جب بھی وہ لوٹ کر آئے' اسے گلے سے لگالینا میری خاطر ورنہ میری روح بے چین رہے گی۔" اور پھر وہ سب کو روتا چھوڑ گئے تھے۔

صابر خان کو وہ سب یاد آیا تو ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"میں صرف لالہ کی خواہش کے احترام میں اسے معاف کرتا ہوں۔۔۔ اور زلیدہ کی خوشی بھی عزیز ہے مجھے۔" انہوں نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اس نالائق کو آج بھی اندازہ نہیں ہوا کہ وہ صرف فون پر ہی مجھ سے اپنے رویے کی معافی مانگ لیتا تو میں اس کو کب کا معاف کر چکا ہوتا۔ اسے اندازہ ہی نہیں ہے کہ میں اس سے کتنا پیار کرتا ہوں اور قسمت دیکھو اس آدمی کی۔۔۔ اس کے چاروں طرف محبت کرنے والے ہی تھے مگر وہ کم عقل ہمیشہ اپنی آنکھیں اور کان بند کیے رہا' اسے کھرے اور کھوٹے میں تمیز ہی نہیں ہے۔ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اب اگر اس نے کچھ بھی کہا تو میں خود کو شوٹ کرلوں گا۔ مجھ سے اب برداشت نہیں ہوتا بیٹا!" صابر خان باقاعدہ رو پڑے۔ تینوں بچے پیچھے سے آکر ان سے لپٹ گئے۔

صابر خان بچوں کو ساتھ لپٹائے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے۔ احتشام' تنویر اور تیمور نے بھی ان کی تقلید کی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے رفیق خان بھی ان کے پیچھے اندر داخل ہوئے۔ صابر خان صوفے پر بیٹھ گئے تو رفیق آگے بڑھا اور باپ کے پیروں میں گر گیا۔ باپ نے اسے اٹھا کر گلے سے لگالیا۔ رفیق خان رو رہا تھا۔ اس کی وجہ سے بچے' چچی جان اور زلیدہ کی بھی کمرے میں سسکیاں گونج رہی تھیں۔

"بابا جان! میں کل بھی غلط تھا اور آئندہ بھی غلط ہو سکتا ہوں۔ میں اب آپ کو کبھی نہیں جھٹلاؤں گا۔ آپ بڑے مقدس گھر سے آئے ہیں' مجھے میری ہر غلطی کے لیے معاف کر دیں۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کردیں۔ میں نے جو نقصان کیا' میں

پیارے بچوں کے لئے

پیاری پیاری کہانیاں

بچوں کے مشہور مصنف

محمود خاور

کی لکھی ہوئی بہترین کہانیوں پر مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو تحفہ دینا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ 2 ماسک مفت

قیمت -/300 روپے
ڈاک خرچ -/50 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

نے جو دکھ دیے آپ کو، تایا جان کو۔۔۔ مجھے معاف کر دیں بابا جان!"

"میں نے اللہ کے لیے تجھے معاف کیا رفیق خان! اللہ بھی تجھے معاف کر دے۔" انہوں نے زاہدہ کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

"زاہدہ، تیرے صبر اور دکھ کے دن ختم ہو گئے۔ میری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔ اللہ تجھے بہت ساری خوشیاں دے۔ بہت لمبی عمر دے آمین۔"

چچا جان نے اس کا ہاتھ رفیق کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا "رفیق! کل یہ ہاتھ تجھے لالہ نے سونپا تھا تو نے قدر نہیں کی مگر آج یہ ہاتھ میں نے تجھے سونپا ہے، میری عزت رکھنا اور اسے اب کوئی کمی کوئی دکھ نہ دینا۔ اب ثابت کر دے کہ تو واقعی ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ دکھاوے ان لوگوں کو جو خوش ہوتے تھے تیرے جانے سے۔۔۔ تو سردار خان رفیق خان ہے۔ وعدہ کر۔ قول دے مجھے کہ تو اب اس کی وہ قدر کرے گا جس کی یہ حق دار ہے۔"

"میں زاہدہ کو خوش رکھوں گا آپ کی امیدوں اور اپنے بچوں کی خواہش کا احترام میری زندگی کا مقصد ہو گا۔"

رفیق خان نے زاہدہ کا سرد ہاتھ اپنے مضبوط گرم ہاتھوں میں تھاما تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کی رانی کی بھینی بھینی خوشبو۔۔۔ آم کے درختوں کی مہک۔۔۔ ٹھنڈی ہوائیں بہت مسکی مسکی تھیں۔ سفید ماربل سے بنے مغلیہ طرز کے ٹیرس پر وہ دونوں خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ سب لائٹیں بند تھیں مگر چاند کی دودھیا روشنی میں سب واضح تھا۔ زاہدہ کا سرخ لباس، دونوں ہاتھوں کی چوڑیاں، آنکھوں کا کاجل اور ناک میں پڑی ہیرے کی لونگ۔۔۔ خان نے اس کا ہاتھ تھام کر ہونٹوں تک لے جانا چاہا تو اس نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے ہاتھ چھڑا لیا۔ وہ مسکرا دیا۔

رفیق نے زاہدہ کے کندھے کو چھوا "میری آنکھیں پڑھو۔ مجھے تمہاری مدد چاہیے۔"

زاہدہ! ابھی جو میں کہنے جا رہا ہوں۔ اس سے میرا بوجھ تو ہلکا ہو جائے گا مگر ہو سکتا ہے، تم ٹوٹ جاؤ مگر اس وقت مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میں جانتا ہوں میں غلطی پر تھا اس لیے معافی بھی مانگ رہا ہوں۔" پھر چند لمحے خاموش رہا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے بالکل قریب بٹھا لیا۔ اتنا قریب کہ وہ اس کے کلون کی مہک محسوس کر سکتی تھی۔

"محبت ایک بار ہوتی ہے اور ایک سے ہوتی ہے اور وہ میں نے ثمرین سے کی۔ بابا جان نے جو کیا، وہ سب مجھے پاگل اور جنونی کرنے کے لیے کافی تھا۔ تین مرتبہ مرنے کی کوشش کی۔ بابا جان کو تنگ کرنے کے لیے جرم کی راہ اختیار کی مگر تایا جان نے ضمانت کروا لی۔ آئندہ بھی سپورٹ کیا۔ احتشام لالہ کے ساتھ کام پر لگایا جنہوں نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی۔ مجھے سراہا مجھے ہمت دی، پیسہ دیا۔

ڈھائی سال بعد تایا جان کی کوششوں سے گھر واپس آ گیا مگر ماں اور باپ سے تب بھی دور رہا کیونکہ سب کچھ کے باوجود میں اسے بھلا نہیں سکا تھا پھر تایا جان کے گھر تم سے ملاقات ہوئی۔ وہ پہلی ملاقات مجھے آج تک یاد ہے۔ تمہاری وہ باتیں اور شرارتی آنکھیں مجھے کبھی نہیں بھولیں۔ میں تم سے دس سال بڑا ہوں مگر اس وقت کی فیلنگز کو نہ جان سکا۔"

وہ زاہدہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی مہندی دیکھنے لگا۔ زاہدہ محویت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اچانک رفیق خان نے زاہدہ کا ہاتھ چوم لیا۔ پھر اپنے ہاتھوں کی انگلیاں اس کے ہاتھوں میں ڈال کر مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تایا جان کو میں اپنا سب سے بڑا محسن سمجھتا تھا۔ مگر جب تایا جان نے شادی کی بات کی تو مجھے لگا، تایا جان بھی بابا جان کے ساتھ مل کر مجھے ثمرین سے الگ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور مگر جب انہوں نے تمہارا نام لیا تو مجھے بہت افسوس ہوا کیونکہ میں تمہیں

دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔

پھر میں نے تمہیں یہ سوچ کر دھمکایا کہ تم اب گھر جا کر یہ سب بیان کرو گی اور تمہارے بھائی میرے خلاف کھڑے ہو جائیں گے مگر تم نے خاموشی اختیار کر کے میرے پلان کو فیل کر دیا۔ تم نے مجھے بالکل سوچنے سمجھنے سے عاجز کر دیا یہ کہہ کر کہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔ مجھے بہت دھچکا لگا۔ تمہاری وہ ساری باتیں آج تک مجھے یاد ہیں لفظ بہ لفظ۔۔۔ میں تب بھی نہ سمجھا کہ تم کیوں میرے دل پر نقش ہوتی جا رہی ہو۔

بلاول تمہیں بہت پسند کرتا تھا۔ خواہش مند تھا تم سے شادی کا۔ اس وقت مجھے کچھ محسوس نہیں ہوا تھا مگر جب میں خود تم سے بلاول سے شادی کا کہہ رہا تھا تو تم سے آنکھیں نہیں ملا پا رہا تھا۔ میں جب بھی نہ سمجھا۔

پھر تمہارے بھائیوں نے بات کی مجھ سے میں نے تمہیں صرف اس لیے مسترد کیا کہ میں تمہیں دکھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اپنے ماضی اور حال میں مجھے کوئی ایسی بات نظر آتی تھی کہ جس سے تمہیں خوشی ہو۔۔۔ مگر پھر بھی میری نہ سنی گئی۔ اور آخر کار تایا جان نے سب کو بلا کر مجھے فیصلہ سنا دیا۔

پھر ہماری شادی ہو گئی۔ تمہیں تنگ کرنے کے لیے جو کچھ میں کر سکتا تھا میں نے کیا۔ مگر تم نے میری کبھی شکایت کی نہ تم نے مجھے چھوڑا۔ میں تمہاری خدمت اور اطاعت سے بھی متاثر نہ ہوا۔ تین مہینے تم نے میرا انتظار کیا، پھر شاید۔۔۔ تمہارے حسن کی تاب نہ لا کر میں تمہارے قریب ہوا تھا۔ میں یہی سوچتا تھا مگر ایسا تھا نہیں۔ مجھ میں وہ شعور نہ تھا کہ میں اپنے جذبات کو تمہارے لیے پہچان سکتا۔۔۔ پھر شامہ آئی۔ میرے اپنے وجود کا حصہ۔۔۔ مگر تم سے رویہ پھر بھی میں نے نہیں بدلا۔ میں تمہارے قریب آنے کی ہر کوشش کو ناکام کرتا رہا۔ جھٹلاتا رہا اپنے آپ کو کہ تم سے میرا کوئی دلی لگاؤ ہے ہی نہیں۔

پھر جب عبداللہ اور عبدالرحمن آنے والے تھے۔ ان ہی دنوں ثمرین مجھے دوبارہ مل گئی۔

اس نے مجھے بتایا کہ بابا جان نے اسے تین دن ایسی جگہ پر رکھا، جہاں بہت سیلن اور نمی تھی۔ بدبو تھی، اندھیرا تھا۔ دن میں ایک مرتبہ کھانا اور پانی دیا جاتا۔ دو آدمی مقرر تھے جو اسے گن پوائنٹ پر واش روم لے جاتے اور اس سے بدتمیزی کرنے کی بھی کوشش کرتے۔ ان باتوں سے میری نفرت اور بڑھ گئی۔ پھر ان دونوں ماں بیٹی کو یو کے پہنچا دیا گیا۔ وہ دونوں آدمی بھی ساتھ ہی گئے۔ یو کے میں تنویر نے انہیں ایک گاؤں ٹائپ سنسان جگہ پر رکھا جہاں ضروریات زندگی کے علاوہ اور کوئی چیز نہ تھی۔ نہ فون اور نہ ٹی وی۔ دو مرتبہ تنویر نے اس سے زبردستی کی کوشش بھی کی اس تمام عرصے میں تنویر کے دوست بھی اکثر اس کے ساتھ آتے اور اس سے ڈرنک بنواتے اور اس کو بے عزت کرتے تھے۔ پھر تنویر نے تو آنا کم کر دیا مگر کوئی نہ کوئی بدمعاش دوست ہر روز آ کر بیٹھ جاتا اور رات بھر اسے باتیں کرنے کے لیے مجبور کرتا۔"

زاہدہ دم سادھے سن رہی تھی۔

"ثمرین نے بتایا کہ تنویر سال میں صرف دو مرتبہ کپڑے لاتا تھا۔ وہ بھی ثمرین کے لیے اتنے چھوٹے ہوتے کہ بدن بھی پورا نہ چھپ پاتا۔ اور اس کی وجہ وہ یہ بتاتا تھا کہ کپڑے تو شرفا کے پہننے کے لیے بنتے ہیں اور وہ ایک طوائف ہے۔ اسے تن ڈھانپنے کی نہیں، دکھانے کی ضرورت ہے۔"

رفیق سپاٹ چہرہ لیے اسے بس سنا تا جا رہا تھا۔

"اس کے دوست آ کر اس سے زیادتی کرتے، پھر اسے دھتکار کر چلے جاتے۔ یہ روز کا معمول تھا۔ اس پر اتنا تشدد کیا گیا کہ وہ مجھے بھول گئی۔ اس کی ماں مر گئی اور پھر ایک دن تنویر نے اسے پاسپورٹ دے دیا۔ وہ پاکستان آ گئی اور اب یہاں ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں جاب کر کے کرایہ کے ایک فلیٹ میں گزارا کرنے لگی۔"

رفیق خان نے ایک گہری سانس بھری۔ زاہدہ کا ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

"ثمرین کی اس کہانی نے میری غیرت اور نفرت کو

خوب ابھارا' تب ہی میرا رویہ تمہارے ساتھ سخت ہو گیا۔ میں جب تمہیں دیکھتا' مجھے بہت غصہ آتا۔ میں نے تم پر جو بھی سختی کی' ان ہی باتوں کی وجہ سے کی۔ میں موقع کی تلاش میں لگ گیا کہ جیسے ہی کوئی مجھے کچھ کہے میں دل کی بھڑاس نکال لوں۔ تنویر سے سب کے سامنے سوال کروں گا۔ مگر یہاں بھی تم نے سب کو ٹھنڈا کر دیا' کچھ بھی نہ ہوا۔ حتیٰ کہ کسی نے مجھ سے اونچی آواز میں بات بھی نہ کی۔ میرا سارا پلان پھر فیل ہو گیا۔ آفس میں آنے سے بھی مجھے کسی نے نہیں روکا۔ میں نے تنویر سے بدلہ ایسے لیا کہ اس کی ایکسپورٹس پر دھیان دینا چھوڑ دیا اور آنے والی کمپلینز کو بھی دور نہیں کیا۔ اسے بہت نقصان ہوا۔ تایا جان نے دوسرا آفس کھولنے کا فیصلہ کیا' میں نے بہترین پروڈکشن کے ساتھ اپنی کمپنی کو اس کے مقابلے پر کھڑا کر دیا تنویر نے تب بھی مجھے کچھ نہ کہا۔ پھر میں نے تمہیں ثمرین سے ملوانے کا فیصلہ کیا۔ میرا خیال تھا' تم دکھی ہو جاؤ گی' چیخو چلاؤ گی تایا جان اور تنویر کو تکلیف ہو گی مگر یہاں بھی تم ثابت قدم رہیں۔ میں نے تمہارا سب کچھ چھین لیا' صرف دو رنگ تمہیں دے دیے۔ میں نے سوچا اب سب چلائیں گے مگر کوئی کچھ نہ بولا۔ میں پھر ناکام ہو گیا۔"

رفیق نے ایک گہری نظر ڈال کر منہ دوسری طرف کر لیا۔ "ایک لمحہ کو بھی مجھے میرے بچے یاد نہیں آئے۔ ثمرین کو میں نے گھر دیا۔ جتنا اس نے مانگا اس سے زیادہ دیا۔ اس کے لیے اس کی اپنی ایڈورٹائزنگ کمپنی کھول کر دی۔ مگر وہ میری قدر اس طرح نہیں کرتی تھی جس طرح تم کرتی تھیں اور آج بھی اسی طرح کرتی ہو۔"

زاہدہ کی ہچکیاں بلند ہو گئی تھیں۔ وہ ٹوٹ رہی تھی۔ رفیق اس کا سر اپنے سینے پر رکھ کر سہلانے لگا۔

"آہستہ آہستہ اس کی مصوفیات بڑھ گئیں۔ بعض وقت وہ ایجنسی کے کام کی وجہ سے رات' رات بھر گھر نہیں آتی تھی اور وجہ کام بتاتی تھی۔ میں نے بھی اپنے کام کو مزید بڑھا لیا تھا۔ بچے اسے پسند نہیں تھے اور نہ ہی انہیں پیدا کرنے کا اس کے پاس ٹائم تھا۔

میں جانتا ہوں تم سوچتی ہو گی میں بچوں کو بھی دیکھنے نہ آیا مگر میں انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ ثمرین کا سبھاؤ دیکھ کر مجھے پچھتاوا ہوتا تھا مگر میرا گلٹ مجھے قدم بڑھانے نہیں دیتا تھا۔ میں شرمندگی میں پورے قد سے ڈوبا تھا۔ باوجود سب سے نفرت کے میں تمہیں یاد کرتا تھا۔ بشامہ یاد آتی تھی۔ چھوٹے بچوں کی تصور اتی شبیہ تھی میرے دماغ میں مگر بابا جان مجھے طعنہ دیں گے۔ سب ہنسیں گے مجھ پر۔۔۔ اس لیے نہ لوٹا۔

مرد دوست کام کے سلسلے میں گھر آتے جاتے اور میری غیر موجودگی میں رہتے۔ تربتی کی تیز دوڑ میں ثمرین سب حدود بھول گئی اور میں بے غیرتوں کی طرح صرف اپنے آپ کو سزا دینے کے لیے اس کے ساتھ رہتا تھا۔

ہر وقت میں اور میرا دل میرے ضمیر کے نشانے پر رہنے لگا۔ یہ سزا بہت زیادہ تھی۔ تمہیں سیاہ کپڑوں میں دیکھ کر احساس ہوتا کہ میری ساری بے سکونی کی وجہ تم پر ناحق ظلم ہے۔ میں نے تنویر اور باقی تمام لوگوں کا بدلہ تم سے لیا تھا' ظلم تھا یہ میرا۔ اسی لیے میں اپنی محبت کے ساتھ بھی خوش نہیں رہ سکا۔"

زاہدہ کو محسوس ہوا کہ وہ رو رہا ہے۔

"وقت گزر گیا خان! چھوڑیں پرانی باتوں کو۔۔۔" خان نے آنسو پونچھ کر اس کے ہاتھ کو ہاتھ میں لے کر پھر چوما اور بات آگے بڑھائی۔

"میں نے بچوں کی کیس کسٹڈی فائل کی تو ثمرین خوب لڑی۔ اس کا خیال تھا کہ تم مجھے بچوں کے بہانے اس سے چھین رہی ہو۔ پھر ثمرین نے کوشش کی کہ وہ ماں بن جائے مگر تمام رپورٹیں ٹھیک ہونے کے باوجود وہ ماں نہ بن سکی۔

مجھے یاد ہے' تایا جان نے کہا تھا کہ جو بھی کرنا تحقیق کر کے کرنا۔ میں تنویر کے پاس یو کے جا پہنچا۔ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا ثمرین کی باتوں کا۔ مگر تنویر کے پاس تمام ثبوت تھے۔ جہاں وہ رہتی تھی۔ جہاں کام کرتی تھی۔ اور وہ کیسے وہاں رہتی تھی' اس کی ماں کیسے مری' سب جگہ تنویر مجھے خود لے کر گیا۔ سب سے ملوایا۔ میں نے خود بات کی اور تمام باتیں کلیئر ہو گئیں۔

اسے تایا جان ہر مہینے پیسے بھیجتے تھے۔ اس کو وہاں گھر بھی دیا' بہت اچھی جگہ نوکری بھی دلوائی۔ وہاں وہ دو سال ایک آدمی کے ساتھ رہی۔ پاسپورٹ البتہ تنویر کے پاس تھا مگر جب اس نے وہیں سیٹل ہونے کا وعدہ کر لیا تو اسے دے دیا۔ جن تین دنوں کی قید کے بارے میں اس نے بتایا تھا۔ وہ غلط تھا۔ اسے کراچی کے ایک بہترین ہوٹل میں رکھا گیا تھا۔

بشامہ کی پیدائش کے بعد وہ گھر خالی کرنا تھا اور جو پیسے تایا جان بھیجتے تھے' وہ بھی سلسلہ ختم ہونے والا تھا۔ صرف چھ مہینے اس نے خود گزارہ کیا اور ماں کو نہ سنبھال سکی۔ نہ ہی اس کا علاج کروا سکی۔ اس کی ماں بیمار ہو کر اسے کوستے ہوئے مر گئی اور وہ پاکستان بھاگ آئی۔ میں نے کبھی اس کی ایجنسی یا آمدنی کے بارے میں نہیں پوچھا۔ مگر جب اس نے بچوں کو گھر سے نکالا تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔

"آہستہ آہستہ دل کے کہیں ایک کونے میں پردوں میں لپٹا کچھ نظر آیا۔ وہ تمہاری مورت تھی۔ تب مجھے احساس ہوا۔ آج تک میں وہ آنکھیں کیوں نہ بھول پایا۔ اتنے نوکروں کی خدمت کے باوجود تمہاری خدمتیں کیوں بار بار ہر لمحہ یاد آتی تھیں۔ مجھے تم سے۔۔۔ مجھے تم سے محبت تھی۔ زاہدہ! میں جان نہ سکا۔ مجھے دیر ہو گئی۔ تمہاری آخری بات خان ہمیں بھولے گا نہیں۔۔۔ میں واقعی تمہیں نہیں بھلا سکا۔۔۔

تب مجھے احساس ہوا کہ ایک خان زادے کو اتنا کچھ ہونے کے بعد جس نے زندہ رکھا' وہ تم تھیں۔ تمہاری حیا تھی۔ وہ عزت تھی جو تم نے سب لوگوں کے سامنے مجھے دی۔ تب میں نے جانا کہ میں تو تم سے محبت کرتا ہوں شدید محبت جسے میں محبت سمجھ بیٹھا تھا' وہ تو میری نفرت اور انتقام کی راہ تھی۔ وہ تو ایک چھلاوا تھا حقیقت تو تم تھیں۔۔۔

میں نے وکیل سے مل کر طلاق کے کاغذات تیار کروائے اور ثمرین سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ایجنسی البتہ میں نے اس سے نہیں چھینی مگر وہ گھر۔۔۔ جس میں میرے بچے آئے تھے اور جسے عبدالرحمٰن نے کہا تھا کہ وہ اس کا گھر ہے۔۔۔ وہ میں نے لے لیا۔ وہاں سے ثمرین کی ایک ایک چیز نکال کر' باہر عبدالرحمٰن کے نام کی تختی لگا دی۔۔۔"

رفیق خان نے گیلی آنکھوں سے مسکرا کر کہا۔ زاہدہ نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"زاہدہ۔۔۔! مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارا بہت بڑا مجرم ہوں مگر دیکھو! شرمندہ ہوں۔ پچھتا رہا ہوں اور۔۔۔ اور تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔"

رفیق نے روتے ہوئے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے تو زاہدہ نے تڑپ کر اس کے ہاتھ تھام لیے۔

رفیق نے اسے کھینچ کر بازوؤں میں سمیٹ لیا اور دونوں چپکے چپکے رونے لگے۔

ان کے آنسوؤں میں گزرے سارے غم' تکلیف اور پچھتاوے بہہ رہے تھے۔۔۔ دونوں کو یقین تھا کہ آئندہ زندگی میں پرانی باتوں کا کہیں گزر نہیں ہو گا۔ اب صرف خوشیاں اور راحتیں ہی ان کی ہم سفر بنیں گی۔

☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

قیمت -/300 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 32735021